

वीर सेवा मन्दिर दिल्ली



क्रम संख्या

काल नं०

खण्ड

[illegible]

[illegible]

مظہرِ نذرِ فکرِ تیغِ ولادت رفتہ رود عقل گفت تیس لعل از کان شرف آمدہ
 تیغِ مدارِ المہامی نواب میرالائق علی خاں مرحوم در سرکارِ عالی
 دوشِ بزمِ ز عقل چند سوال کوست حلالِ مشکلات عقد
 گفتش کے بود کہ شاہِ دکن بنشیند بہ سبِ آبِ وجد
 گفت جشنِ جلوسِ قریحِ او در ہزارست دستی ہست کاغذ
 گفتش پس کہ باشدش دیوان؟ قرعہ بر لایق علی خان زد
 گفتش سنگا دیں راہِ رست گفت زود اکہ حق پہنچا دے
 گفتش خواجہ کے شود دیوان؟ گفت حق تیر سہ ہرگز خود
 تیغِ بنا و مرست مسجد مولینا حاجی ابراہیم حسین صاحبِ انصاری
 شناعشری پانی پتی دام ظلیم العالی
 جعفری مذہبے بنا فرمود بیتِ حق را کہ اعظم ست قدیم
 خورشیدِ دادِ ملہم صادق کرد تعمیر کعبہ ابراہیم

علی بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور ان کے
 چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا نام صادق علی یہ تینوں نام اور خود بانی کا نام قطعہ
 تیغ میں نہایت خوبی سے لیا ہے +

تمام شد

مؤرخین کاتب
 ایضاً آباد

گفت سال وفات او منظر رفت چالم پر جنت ابدی
 تاریخ وفات خاقان سعد اکبر مرحوم بانی مدرسہ اسلامیہ پانی پت
 چو سعد اکبر آن یاری گر قوم کہ مراہل وطن را بود یا اور
 سخی جنت زد دنیا رخت بر بست ازین غم تافت دلہا ہجو آذر
 در لیل آن نیک خواہ جملہ عجب در لیل آن غمگسار ہر ہر برادر
 در لیل آن درس گاہ اہل اسلام کہ ماند از مردنش بے برگش بے بر
 چنین سال ز فاقش یافت منظر شدہ جنت مقام سعد اکبر
 تاریخ اورنگ نشینی حضور زو اب آصف جاہ نظام الملک
 میر محبوب علی خان بہادر دام اقبالہ فرمانروائے دکن
 شاہ دکن چوں نہاد حسب مراد عباد افسر دولت بہ فرق پئے براورنگ داد
 سال جلوسش خود گفت کہ بے سر شدہ فتنہ و فسق و فجور شر و فریب و نساہ
 ایضا

عیاں شد چو عید جلوس نظام بے خوشتر از عید و صل حبیب
 خود فرق اعدا ترا شیدہ گفت کہ کذا من اللہ دفعہ فریب
 تاریخ ملاوت فرزند ارجمند در کاشانہ اقبال حضور نظام دام اقبالہ
 شد چو غور شید و شرف طالع بشکوہ نظام قدسیاں گفت شمع ملک و دولت آمدہ

۱۱ مولوی قندعلی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۲

تاریخ وفات امین برادر ارقم جناب جہاد حسین مرحوم متخلص بن منظر
 سَلَّمَ عَلٰی عِبَادِکَ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰی

یہ تاریخ برادر زادہ ارقم حافظ اخلاق حسین سلمہ تعالیٰ نے اپنے والد مرحوم کی وفات کے
 چند روز بعد عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس سے بے کم و کاست
 سال وفات برآمد ہوتا ہے چونکہ یہ مادہ ندرتِ خالی نہ تھا اسلئے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخوں
 کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگ مرقد پر جو کہ دلی
 میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے جوار رحمت میں واقع ہے کندہ ہے +

قطعات تاریخ از متلحج طبع جناب جہاد حسین مرحوم متخلص بن منظر
 چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخوں میں سے قطع باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے لئے
 کوئی نامہ موقع نہ تھا اس لئے بطور یادگار ان کو بھی اپنے دیوان میں شامل کر لیا گیا ہے
 تاریخ وفات جناب معالما قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہ لہ متخلص بن عالم

آں قلندر علی وحید ذیل	در نجات زبیری و سندی
خاک پانی پت از سکونت او	در جہاں شد علم پستندی
مرد و با خویش برو حکمت و علم	ماند خلق بہ کوئے نابلدی
جز دلی او کہ بود جسد صفا	نقد ہر کیسہ جید رست و دی
جز کتابش کہ بد ہمہ حسانت	در جہاں نامہ نیک مستندی

یہ تیاریاں ایک دوست کی فرمائش سے جو اس وقت بھاؤپور میں ملازم تھے بھیجی گئی۔ مگر ایسا ناکام تھا کہ سند نہیں آئی۔ نہ اس لئے کہ اس میں دو جگہ اپنی طرف سے تصرف کیا گیا ہے بلکہ اس لئے کہ نواب صاحب کا نام اس میں نہیں تھا۔
 تاریخ ولادت فرزند درجہ ہمسرے نواب آسمان جاہ بہادر مدار اللہام سرکار عالی
 لحاش اللہ ما ہذا البشران ہذا الا ملک کریم

اس آیت سے سنیں مطلوبہ یعنی ۱۳۰۸ھ اس طرح نکلتے ہیں کہ آیت کے جملہ اولیٰ یعنی لحاش اللہ ما ہذا بشرث کے اعداد ۱۶۵۴ ہیں۔ ان میں سے ہذا کا تخریجہ اور ملک کریم کا بجائے اس کے تعمیر کرنے سے ۱۳۰۸ھ حاصل ہو جاتے ہیں تخریجہ و تعمیر کا اشارہ گویا ان ہذا الا ملک کریم سے نکلتا ہے۔ کیونکہ اس جملے کا ترجمہ اگر یوں کیا جائے کہ نہیں ہے "ہذا" مگر ملک کریم تو اس سے یہ مطلب استفادہ ہو گا کہ اوپر کے جملے میں ہذا کی جگہ ملک کریم رکھ دو اور اس طرح ۱۳۰۸ھ حاصل ہو جائیں گے +

اصل آیت میں حاش اللہ ہے بضرورت لام اضافہ کر کے لحاش کر دیا گیا ہے آیت کا ترجمہ یہ ہے (حاشا اللہ یہ بظہر نہیں ہے یہ تو ہونہ ہو کوئی معزز فرشتہ ہے) جو عورتیں زلیخا کی فریفتگی پر اس کو لامت کرتی تھیں۔ جب حضرت یوسفؑ دفعۃً ان کے سامنے آئے تو اس وقت جواں سالانہ کے منہ سے نکلے تھے۔
 ان کو قرآن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے +

کے کنگن، بجائے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اِن کی مغفرت ہو چکی اور اہل جنت کے تمام حقوق اُن کو مل چکے۔

یہ عجب حُسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی۔ اور پھر ایک ہی صورت یعنی سورہ دہر سے نکلی اور دونوں آئیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں +

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاست گاہ بجا و لیپور
کا پتہ صحیح مسر دمن القواسریہ

قرآن مجید میں اہل آیت اِنَّہٗ صَرَّحَ مسر دمن قواسریہؒ نے تاریخ میں بضرورت تکمیل اعداد و نیز بمقتضائے مقام انہ کی جگہ کا نہ کر دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے قواسریہ میں الف لام بڑھا کر القواسریہ کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس اقل ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُن کو شیش محل کے صحن پر جس میں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے اُس نے فوراً پانی پینے چڑھا لئے حضرت سلیمان نے کہا اِنَّہ صرح مسر دمن قواسریہؒ یعنی یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ بنائیں انہ کی جگہ کا نہ کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا یہ وہی سلیمان کا شیش محل ہے +

تاریخی محلے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم دہلوی
رئیس جہانگیر آباد متخلص بہ حسنی و شیفہ
جزا ہم بہا صبر و اجنات و حیدرا

اس آیہ قرانی میں بہا صبر و اجنات و حیدرا ہے۔ چونکہ تاریخ وفات میں ایک عدد کی کمی رہتی تھی اس لئے جتنے کی جگہ جنات کر دیا گیا ہے جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجائے فرخ و سرہیان جنت نعیم کے ہنسار و سرہیان جنت النعم کر دیا ہے۔ چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدید و آلام منظر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کئے تھے۔ اس لئے اس آیت کا مضمون اُن کی وفات کے نہایت مناسب تصور کیا گیا۔ یعنی جناب باری نے بعض

اُن کے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُن کو عنایت کیا۔
تاریخ وفات نواب نجات بن خان مرحوم والد وسط نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم دہلوی
وہلوا اساور من فضة

چونکہ عزیز موصوف ایک حبیبہ و شکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات عنفوان شباب میں واقع ہوئی تھی اس لئے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لئے نہایت مناسب اور موزون سمجھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ پہلے گئے ان کو پہنچا

تیار طبع ترجمہ تیاریں دربار قیصری بحساب سال عیسوی
 پنجاب کے ادارہ تعلیم عام نے ایک اور کام ملک کے حق میں کیا خوب
 دربار قیصری کی جو تیاریں تھی چھپی اب ترجمہ اسی کام تب ہوا ہے خوب
 ہیں لفظ و لکشا تو مضامین ہیں دل نشین ہے ترجمہ نفیس تو طرز ادا ہے خوب
 چھپ کر ہوا تمام تو عالی نے یوں کہا دربار قیصری کا مرتع چھپا ہے خوب
 تیاریں بنائے مہمان سرا اور موضع مون واقع پنجاب بحساب
 سال عیسوی

بحر کرم آن زیرِ رحمت کہ باقی ست نام بزرگانِ مون نہ بدل و نوازش
 ساختہ منزل گئے چو بہرِ غریباں تکیہ کہ گوہرِ غریب آمدہ سائش
 ۱۸۷۷ء

سرشته مہبات : ادم زومت
 کُنوں رانم از طبع دیوان سخن
 سخن ز آسمان بود رفت از زمین
 کہ شد جلوه فرابہ فنی گزین
 دریں روز ہا کہ صوف زباں
 سخن شد ہماں و سخنور مہیں
 عروس سخن می نیر زو بجو
 بہ حسن اربود غیرت جور مہیں
 صد آباد بر عاشق و عزم او
 کہ درد و رنا ساز گاری خنیں
 زمینی بہ بیگانہ و آشنا
 فشاں دست گنجینہ از آستین
 چو دیوان اردو عاشق کہست
 صنم خانہ طرفہ گفتی زہیں
 بہ پیرایہ طبع آراستند
 شنیدند از ہر کنار آفرین
 سخن کش نبود ازوشے درجہاں
 ز شادی نہ گنجی در پوستین

چو حالی ہے جست تیاج طبع
 صنم خانہ عاشق آمد نیس
 تیاج بنائے جاہ در محوطہ مدرسہ العلوم مسلمانان واقع علی گڑھ
 بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بحجرتی
 جناب آنزبیل سرشد احمد خاں بہادر
 ہدایت کیجئے گر سال ہجرت کی محرم
 تو کیئے سال بعثت کا مہ شوال کہ ہجرت
 کلام اللہ : اتر آخر ماہ مبارک میں
 ہوا اس واسطے شوال مباد سال بعثت
 نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے
 بنایا جس نے وار العلم کا یہ چشمہ زیبا
 زمرے سال بعثت چونکہ مئی تیاج کی خواہش
 کہا ہا تفہم نے حالی سے کہ چشمہ فیض احمد کا

جو قیمت پوچھے تو ہے بہت سہل نہ دینا زائیں میں لگتے ہیں درہم
 اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب تو ہے اے طالبو اکسیر اعظم
 تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم دہلوی
 مردا کہ ضیاء الدین احمد برہست رختِ سفر از جہاں کجائے لم است
 از طاق و زاریاں و زبیرم ^{۱۱۰} بگستہ بہ رحمتِ الہی ہوست
 تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین حب متخلص عاشق
 جہاں مرد آزاد ^{۱۱۱} عاشق نیست در اقران خود کس مراد اقریں
 نہ ضیاء و ہموارہ از حسن خلق پے صید آزادگان در کیس
 نہ سجاد و پیوستہ از افسون نطق کشد زاشیان بازو شیراز عریں
 ہے بار و از جہبہ اش انبساط اگر مہربان ست و گر خشمگین
 نہ بینیش گے سر کہ برابر داں نہ یا بیش افتادہ چین بر چین
 دو سال ست کافوں مہر و فاش رب و دست صبرم ز جانِ حزین
 ولے ویر پیوند نا آشنا کہ بود ست فارغ ز مہر و ز کیں
 نہ انم کہ عاشق چہ افسوں دید کہ در باخت خود را بمرش چنین

۱۱۰ تاریخ اس طرح بھلجی ہے کہ ۹۲۹ میں جو کہ ضیاء الدین احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق - ایوان ہزم
 اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے۔ تخریج کر کے باقی ۱۰۸ کو ۶۹ میں جو کہ رحمت الہی کے اعداد
 ہیں ملانے سے ۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اسی ہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے، مختصر صورت
 تاریخ کی یہ ہے ۹۲۹ - (۱۱۰ + ۶۸ + ۲۹) + ۶۰۸ x (۶۹۴) = ۱۳۰۲ -

تاریخ بہ پایان رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس
گلاؤٹھی در بلبند شہر

علی آن سید والا کہ باشد بنامش مہربان جرمے ز اجزا
بود باقات او قوام سیادت چنان کہ نام او ہرست پیدا
چو ایں کا شانہ را بنیاد نہاد بعدِ حاکم بیدار و دانا
گروس آن فیض گستر کرد و جودش شد ایں معمورہ چوں گلشن سراپا
چنین گفتش حالی سال تعمیر مکان بے نظیر آباد بادا
تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر
محبوب علی خان بہادر فرماں روا کے ملک دکن

یہ سال فرخ و ماہ سعید و روز فرخندہ نظام الملک محبوب علی خان آصف ثانی
تحتِ سلطنت نشست حالی گفت تاریخش برائے مہار کتلج و اورنگ جاناہانی
تاریخ تالیف قواعد اردو مولفہ خواجہ شہاب الدین جن صاحب

دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا بیان ثانی ہے اور ترتیب محکم
کتابیں اس سے پہلے تعین تھیں زیادہ محکم میں اور نفع میں کم
مگر یہ مختصر ہے ایک رسالہ کہ میں جس میں قواعد سبذام
وجود اس کا ہے گو سبک منوخر پہ خوبی میں ہے اکثر سے مقدم

اس قافلے میں آکے لاگو وہ سب کے بعد اگلیں کے ساتھ ساتھ مگر وہ نور و تھا
 ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جاں گزا دل تھا کہ فکر سال میں بے صرفہ نہ تھا
 ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدا سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی میں فرد تھا
 تاریخ ہم نکال چکے پڑے بغیر کسی حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
 تاریخ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی اے کلاس ملی کالج
 محمد ابراہیم چوں ترک جان گفت زخمل جوانی ثمر بر نخوردہ
 بگفتم زروے الم سال فوتش بجاں آفریں جان شیریں پڑ
 تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی سب بچے اندوہ گین شہر کے برناؤ پیر
 جب ہوئے ناصر وزیر راہی ملک بقا دل نے کہا ہر جگہ بھتی ہے چیراں ک جہا
 دینے کا ہر جگہ بھتی ہے چیراں ک جہا بارغ میں سرین و گل چرخ پہ ہر تیر
 عیش میں شعرو غزل سوگ میں تاریخ مرگ غیب سے آئی نانا اٹھلا میں ناصر وزیر
 تاریخ طبع جغرافیہ بمیشال مولفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی تاریخ طبع جغرافیہ بمیشال مولفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی
 وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج چھپا حودہ اے طالبان کمال
 نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ عیاں جس سے ہر رنج مسکن کا حال
 بل طرفہ ترانس کی تاریخ طبع وہ خود طرفہ ہے جس سے بے قیل و قال
 اگر سال بھری کی ہے جستجو تو جغرافیہ خود بتاتا ہے سال
 ہو مطلوب تاریخ مگر میسوی کہو اس کو جغرافیہ بے مثال

قطعاً تاریخ اور تاریخی جملے مقبول از قرآن مجید

راقم کوئی الواقعہ تاریخ نکالنے کا ذمہ نہیں ہے۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہے تو نہایت وقت سے اکثر تخریج یا ترمیم کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اس کے بھی تاریخ مراخام ہوئی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مادہ تاریخ کسی دوست نے بکال دیا اور اس پر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے۔ لیکن چونکہ فطری سے تاریخ گوئی کو جوہر و شاعری سمجھا گیا ہے۔ اس لئے اکثر طوفاؤں کو یا رسول کی فرمائش سے اور کبھی کبھی اپنی پچ سے بھی تاریخیں لکھنی پڑی ہیں +

ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنٹے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک فرمانے لگے کہ عباسیوں کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کر کے اس کے پاس لے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہے تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھول دے۔ اس نے کہا بھائی میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے آجنگری کا دعویٰ نہیں کیا۔ اُن کا مطلب اس قفل سے یہ تھا کہ ہم نے اس کی طلب میں درویشی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانہ بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک میں اُن لوگوں کا ہے جو شاعری میں بدنام ہیں۔ وہ آمد تو کسی مصروف کے سمجھے نہیں جاتے آمد حقیقت میں بھی نہیں البتہ لوگوں کی غرض کبھی کبھی اُن سے اس وقت متعلق

اُن کو ایسوں سے نہیں ملنا رہا جو یاقوت رکھتے ہیں اُن سے سوا
اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئیں دیکھنا لازم پہاڑ اس کو نہیں
سر میں ہے جگنو کے یہ سووا اگر شے نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیئے دن کو نہ بھلے زینہار ورنہ ہوگا اپنے جی میں شرمسار



کھوکے مجھ کو کوئی پاتا نہیں پھر
 ایک پل میری اگر دیجیے گنوا
 تو اگر اپنی لٹا دے ثروت
 ہیں اسی واسطے جو اہل تمیز
 میرے جو لوگ کہ ہیں قد شناس
 ہے مرا جاگتے سوتے انہیں پاس
 جانتے ہیں حکما و عسرا
 دل میں جن کی مرے کچھ قدر نہیں
 نہ کوئی کام ہو ان سے انجام
 ان کی قسمت میں نہ دنیا ہے نہ دین
 نہ اراوہ ہو کوئی ان کا تمام
 اور نہ دنیا کبھی ان سے پناے
 نہ ادا صوم ہوں ان سے نہ صلوٰۃ
 نہ مدد ان سے کچھ اپنی کی جائے
 نہ خبر ان سے کسی کی لی جائے
 گن تو ہیں مجھ میں بہت لے دولت
 بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو
 بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہے میرا سرا سر نقصان

کہ ہے انمول مری ایک اک ان

ناقصوں کے دعوے کاملوں کے سامنے فروغ نہیں پاتے

ہے لیاقت جن میں کچھ قدر قلیل اور سمجھتے آپ کو ہیں بے عدیل

ہیں رکھائی سے مری سب لڑکوں
 جس سے دنیا میں نہیں راہ کروں
 الغرض ہے وہ مری شان عظیم
 جڑ سمجھتے ہیں غیثی کی مجھ کو
 تو بتا فخر ہے تجھ میں وہ کیا
 وقت نے سن کے کہا اے دولت
 ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے۔ مگر
 تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی
 کیجئے فخر جس تجھے گر چشمہ
 میں ہوں یا تو ہے اساس امکان
 تو جو کھیتی ہے تو رقبہ میں ہوں
 ہے قراہ ترا گر عطر آگئیں
 ہے عبث تجھ کو تفوق کا خیال
 جن کے قبضے میں ہیں اے دولت
 لاکھ بار ان سے اگر بھلے تو
 ان کی مٹھی میں ہے تو اے دولت
 نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود
 میرے اغماض سے ڈرتا ہے جہاں
 ہو اگر شیر تو رو باہ کروں
 کرتے آئے ہیں جسے رب تسلیم
 میری عظمت نہیں باور مجھ کو
 جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا
 شک نہیں اس میں ذرا اے دولت
 اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھ کو خبر
 اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
 تو ہوں اس چشمہ کا میں سرچشمہ
 پہلے دریا ہے کہ مچھلی ناداں
 تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
 میں ہوں اس عطر کی واٹ نہیں
 تو ہے گر مال تو میں اس المال
 تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دست قدرت
 بڑھ کے جاسکتی نہیں آگے تو
 طائرِ رشتہ بسپا کی صورت
 جس کا نایاب ہے عالم میں وجود

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا
 تو ہے سرمایہ عزت یا میں
 ہے زمانہ میں بڑی بات تری
 وقت سے ہنس کے یہ دولت نے کہا
 ہے عجب۔ جس کو خدائی مانے
 بزم گلشن دُنیا مجھ سے
 نام اقبال ہے آنے کا مرے
 مجھ سے پاتے ہیں ہنر نشو و نما
 لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال
 خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں۔ مگر
 چند روز اگلی میں جس کے کام
 جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا
 منہ ذرا جس کو لگا لیتی ہوں
 چاہتے ہیں مجھے سب خورد و کلاں
 گر نہ ہیں میں تو کوئی کام نہ ہو
 کوئی حاجت نہ ہو دُنیا کی روا

سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
 تو ہے انسان کی دولت یا میں
 دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
 تجھ کو اسے وقت نہیں عقل ذرا
 اُس کی تو خوبیوں میں شک جلنے
 لیتے ہیں تو شہِ عقیقی مجھ سے
 لقب ادا پار ہے جانے کا مرے
 علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
 لاکھ رکھتا ہو کوئی حُسن و جمال
 میں نہ ہوں۔ تو نہیں کچھ قدرِ بشر
 زندہ تا حشر رہا اس کا نام
 وہ سدا خوار و نگوں سا رہا
 اُس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں
 پھرتے ہیں دُھن میں مری پروجاں
 کسی آغاز کا انجبا م نہ ہو
 دُسیان گر نہ قدم ہو میرا

مال جو ہوتا ہے بچن کا کچھ کرناں سے
 جانشین اُنکے ہوئے اُن کے جب سر لائل
 شکر سے عہد ہوا اُن کے نہیں ہو سکتے
 اُنکے گیا سر سے جب اس ملک کے سایہ بن کا
 کار فرما تھے جب ضلع میں پنجاب کے آپ
 حیدر آباد میں۔ تیسویں میں۔ کلکتہ میں
 ہے یہ اب آپ امید کہ پنجاب میں بھی
 بعد سر لائل و سر چارلس کے سر ڈینس بھی

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دل ربا اُمید میں جن پر کہ تو ہے شیدا
 وہ عالم چاہی جس پر کہ تو ہے مفتوں
 جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تو نے اس کو
 چل دیئے جب سارے۔ ان بلبلیوں کی مانند
 جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
 بے مہریوں سے تو نے جس کو کیا ہے غلین

جس طرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جا کر

پھر موسم خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

درس کے کمرے جس میں ہیں اکثر قد ضرورت سے کچھ بڑھ کر
 بورڈروں کے رہنے کو ہیں گھر کھیلنے کو میاں ہے سراسر
 جب تک شہر آباد رہے گا۔

نام تمہارا یاد رہے گا
 شہر میں جا کاغذ کو عطا کی کیں اصلاحیں آب و ہوا کی
 شہر کی جو حاجت تھی روکی شرط حکومت تم نے ادا کی
 جب تک شہر آباد رہے گا
 نام تمہارا یاد رہے گا

تم میں ہیں جو موجود فضائل وہ نہیں کچھ محتاج دلائل
 وگ سب تمکے دل سے ہیں قائل او! سر لائل۔ او! سر لائل
 جب تک شہر آباد رہے گا
 نام تمہارا یاد رہے گا

اشعار مدحیہ

بمختصر سر ڈینس فٹنر پیرک لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب۔ انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے
 قیصر مند کے ہیں سیکڑوں احساں جہاں اس کا پنجاب پہ ہے سب بڑا یہ احساں
 حکمران کئے ہیں پنجاب میں اب تک جتنے ایک کا پہلہ ہے عدالت میں گراں
 جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا اس دم تو وقت بخت تھا ہر اک انکو یہ حسرت نگراں

جب تک شہر آباد رہے گا
 نام تمہارا یاد رہے گا
 یوں تو ہیں سب احسان مسلم رجب ہے یہ احسان مقدم
 تھے تعلیم میں کم سب سے ہم تم نے مدد کی اپنی پیسہ
 جب تک شہر آباد رہے گا

نام تمہارا یاد رہے گا
 جو بلی کے جو خاص دلیفے پانچ برس کو ہم کو لے گئے تھے
 لطف کے میعاد ان کی بڑھانے جیت لئے دل اپنے ہم سے

جب تک شہر آباد رہے گا
 نام تمہارا یاد رہے گا
 مدرسہ تعالیٰ محوڑ ہمارا تھانہ کمیں ٹکنے کا سہارا
 مانگے مانگے پر تھا گذارا مٹ گیا اب غلجان یہ سارا

جب تک شہر آباد رہے گا
 نام تمہارا یاد رہے گا
 آپ کو ہم پر رحم جو آیا گھر یہ عطا ہم کو فرمایا
 حکم مرمت کا بھجوا یا لٹے پھوٹے کو بنوایا
 جب تک شہر آباد رہے گا نام تمہارا یاد رہے گا

شکر کا ہم کو گونہیں یا را پر یہ ہے کنا فرض ہما
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

ہے دلی کے فخر کا یہ دن شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمہارا گونہیں مکن رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں انسر کیسے کیسے رعیت پر وہ
جن سے ہندوستان منور فخر ہے انگلستان کو جن پر
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آرکلاک احسان کا پتلا آدمی کی صورت میں فرشتہ
تھا دلی پر فضل خدا کا تم نے جو دلی میں اُسے بھیجا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آب و ہوا سے شہر کی ساری آبی حقی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر۔ نل اک باری چشمہ حیوان کر دیا جاری

قوم کھو بیٹھی ہے جو عیاسیوں کی یا نگار
جستجوئیں اس کی مشعل لیکے یاں آئے ہیں ہم
تا کہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت کیا
اس لئے ڈالے گلے میں بھولیاں آئے ہیں ہم
خود غرض مٹھرائیں یا مکار ہم کو یا نگار
ذلتیں یہ کہے ریخا طرناں آئے ہیں ہم
فخر سب بیجا ہیں ان کے قوم ہر جگہ ذلیل
فرد و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم
بے بنی ہاشم کی مہماں پر ردی طریشل
ایسے یاں بن بلائے مہماں آئے ہیں ہم
تشنگی اپنی بھجانی ہوگی اسے آپ حیات
لیکے نہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم
مژدہ قدم حضور شاہزادہ ویلز درہند

مژدہ ہوا ہل مشرق باب دن پھرے تمہارے
مغرب سے سوئے شرق آیا ہے ہر تاباں
گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے
ہے ایسے گلہ بان پر گلگی جان قرباں
ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آج کل نہیں کم
اے معین بندگی اے خاک انگلستان
تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنے ہے لیکن
ہندی بھی ان دنوں میں قسمت پہ اپنی نازاں
مہماں ہے آج ان کا ارشاد کا دلی عہد
بڑے زمین کے سلطان جکے ہوئے ہیں مہماں
شکریہ عطاے مدرسہ نواب غازی الدین خان مرحوم واقع جمہری
دروازہ دہلی بحضور سرجمیس لائل لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب از طرف
طلباے ہندو عربی سکول دہلی
آئیے اے ولی کے دل آرا
شہر دعا گو سب ہے تمہارا

لے چمک یہ نظرمیں طاہر علیوں کی لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہزاراں کے مدد پر جمع ہو کر بطور کوس لے گا تھی
لے میں پڑھیں اس لئے کہ جس کی سمجھ کے موافق نہایت سیدھے سادھے الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں ۱۲

نشر میں چوستے ایک بادہ پر زور کے ہم
 سر پہ وہ دیو قوی کے چڑھا تھا اپنے
 روکتا تھا نہ جسے غار نہ خندق نہ کنواں
 رہتے تھے اُس شتر مست کی صورت بقید
 پند گوہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دل سوز
 خیر خواہ اور تھے غمخوار مربی جتنے
 بلکے بھولیوں سے جان میں جان آتی تھی
 اب انگلیں ہیں وہ دل میں ترنگیں باقی

صدائے گدایاں قوم

ڈھونڈتے خضر مبارک لیے کیاں آئے ہیں ہم
 ڈبے جو خوشدل ہیں وہ سن کر نول ٹھنڈل
 ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو ہم
 علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے
 چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم
 سخت عبرت فیض لیکر فاسٹاں آئے ہیں ہم
 لیکے اُس کا مردہ فضل خزاں آئے ہیں ہم
 آج اُس پر اُٹھی کے لوح خواں آئے ہیں ہم

ملہ پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند اہمیت و گوں نے جنہوں نے اپنی جماعت کا نام گدایاں
 قوم رکھا ہے ریاست بجاو پور میں چندہ وصول کرنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کا قصد دیش
 کے حضور ہیں یہاں شہا پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً ان کا جانا نہیں ہوا۔ ملہ چونکہ رئیس بجاو پور ہی بنی عباس
 ہیں۔ اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا۔

ایضاً

کاراجاب ساختن بتوال دوستاں رانواختن بتوال
تابہ دھارو باد خواہد ماند از شالطفت یاد خواہد ماند

اشعار غزل ناتمام

اِس زندگی کے ہاتھوں میں ایک دن نہ پایا یہ جان ہے بدن میں یا خار پیر میں
حاضر ہو جب دل ہی ہی باغ وراغ کیساں ہم دوستو گئے بھی تو کیا گئے پن میں
ہے اک خواش دل میں ڈہری کچھ نہ آئے زنجی ہے قیڑاں میں اور شک ہے فتن میں
تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہو رہی اے فاختہ دہر ہے کیا سرو دناں میں

ایضاً

کس قدر یارو ہوا ہے انقلاب آگیا یاروں کے اقراروں میں فرق
خود بتاے گاتھمیں دورِ زمان بے وفاؤں اور وفاداروں میں فرق
اِن پہ ہم قربان ہیں وہ ہم پر نثار سے بہت پیادوں میں یاروں میں فرق

ایضاً

گر نہ نیتِ گدا میں فرق آئے کیوں شاہ کی مطایمِ فرق
پس وفادار اور بھی لیکن ہری جاں وفادائیں فرق

اشعار قصیدہ ناتمام

یہ دایا میکہ تھی باغِ جوانی پہ ہزار نظر آتا تھا خزاں میں بحرِ زمانہ گلزار

ایضاً

شکر که از فضل فلے جہاں وقت خوش از پرده برآمد عیاں
شادی دل را بسبب بدست فرصت بزم طرب آمد بدست
تا شود از مقدم اہل کرم کلمہ ما غیرت بلوغ ارم

ایضاً

رفت آسینہ مستان باد نوروزی وزید دوست داراں بشارت بادویاراں را نوید
طرح بزم خرمی با ہمدگر باید نہاد نغمہ شکر آگلی دمبدم باید کشید

ایضاً

سلام من محب مستکین یلیہ الخیر والبرکات تنتری
سلام مرد فد روح دماخ و بین ید یہ للہ حبیب بشری
ودعوہ شاہدین وغائبینا من الاخوان والخلدان طرا

خاتمہ رقعہ شادی

فاطیسیب العیش فی الدنیا و اخر غدا سرہینا بذریا سرات الاحبا

ایضاً

ہزار دیدہ دل فرخ راہ یارانے کہ از مسرت یاراں مسرت اندوزند
بہ شادی و طرب ہمدگر شوند انبار ہزار رخ ز فروغ دلے برافروزند

اشعار متفرقہ

ان میں اکثر وہ اشعار ہیں جو لوگوں کی فرمائش سے خاص خاص موقعوں پر اردو یا فارسی وغیرہ میں لکھے گئے ہیں

تمہید رقعہ شادی عروسی

شکر کیجئے کون سی نعمت کا خالق کی انا
 اُس کی قدرت کے خزانوں میں نہیں ہرگز کمی
 نخل ترکو پھل دیا اُد پھل کو بخشا رنگ دلو
 کھیتوں کو مینہ دیا ماں باپ کو اولاد دیا
 اے سے ہے ایک نعمت اِس کی بندوں پر دیا
 جس نے جو مانگا وہی اُس نے مہیا کر دیا
 سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب و مینا
 اِس سے دی دُنیا کو رونق اِس آنکھ کو بھلا
 عمر روز افزوں عطا فرمائی پھر اولاد کو
 کل چھٹی تھی جن کی ہے دن آج اُنکے بیاہ کا
 آؤ اِس کے شکر یہ میں ہل کے باہم شاد ہو
 تاکہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا
 ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو
 گل دلالہ ہو یا عطرد و گلاب
 لب آب یا صحن گلزار ہو
 مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و باب
 یہ ساری خوشی کے ہیں سامان جب
 بزرگوں سے محفل کی شوکت بڑھے
 عزیزا و پیاروں سے عزت بڑھے
 جہاں اِس طرح جمع ہو چار یار
 ہیں اُس بزم پر لاکھ گلشن نثار

طاؤس دیکب خوش خوش گلشن میں خرولا
 غفلت کی چھاری ہے کچھ قوم پر گھنٹا سی
 اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
 فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
 کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا
 تم سے تھے تو تھا مو عرت کو قوم کی کچھ
 اک خضرہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے
 خدمت میں اُن کے حالی کتا ہی بہاد ہے
 دُنیا میں گرہے رہنا تو آپ کو سنبھالو
 عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا ہے ہیں
 بہ اپنے ضعف کا کچھ کرتے نہیں تدارک
 گھڑیاں اور مگر مجھ میں اُن کو ننگے جاتے
 سنبھالو۔ ورنہ رہنایاں اس طرح چڑیگا
 اور بیٹے ہاتھ ملتے گھسیں و باغیاں ہیں
 بیفکرویتجربہیں بوڑھے ہیں یا جوان ہیں
 رستہ کدھر ہے اُن کا اور جا ہے کہاں ہیں
 گریہ نہیں تو با بادہ سب کمانیاں ہیں
 کچھ کرو نوجوان اُٹھتی جو انبیاں ہیں
 اپنے تو قافلے سب پاند رکابیاں ہیں
 رستے پہ دیکھیں پلتے اب کتنے کارواں ہیں
 اس وقت رونق افزایاں جتنے مہرباں ہیں
 ورنہ بگڑنے کے یاں آتا رُسب عیاں ہیں
 قدرت کے قاعدے جو دُنیا پہ حکمراں ہیں
 قومیں وہ چند روزہ دُنیا میں سہماں ہیں
 دیا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
 بھیل اندگوں نہ جیسے گنام بے نشان ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روزِ بُد دکھائیں
 دُھندلے سے کچھ نشان ہیں ہر کسٹ پنجائیں



شاہو کی جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے
 دوسرے تھے وہ جلوے ملت کا ہے نقشہ
 بے روح تھے وہ قابض اس میں غوثی
 میلے نہ وہ بچھڑے صبح ان میں گرہ ہوتی
 وہ دن گئے کہ نازاں مٹی قوم سلطنت پر
 بس سلطنت یہی ہے بل بیٹھنا ہمارا
 گم گشتہ بخت جب کبھرتے ہیں ڈھونڈتے ہم
 وہ مشکلیں کر بیٹھے اب حل ہیں ہمیں کچھ
 ہم میں اگر خالف کچھ ہوں اس انجمن کے
 فوج ملک کو اکثر سمجھا ہے فوج دشمن
 نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہی جہاں
 قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہو گی ہم کو
 ہوتی ہے قدر ان کی مدتی ہے جان پر تیب
 گو سب جہاز لے خطرے سے یخبر ہیں

شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑے
 کاغذ کی پتھیں نایس بیڑا یہ لوح کا ہے
 مہج سرب تھے وہ یہ چشمہ بقا ہے
 رہتا ہے آندھ صیون میں روشن یہ وہ دیا ہے
 اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
 یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایہ ہمارا ہے
 لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا ہیں پتا ہے
 جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
 معذور ہیں وہ ان سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
 حملہ ملک پر اپنی اپنیوں نے خود کیا ہے
 انسان سے ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
 اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
 لاتے ہیں تب یہ نایس جب بیڑا ڈوبتا ہے
 پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفات بحر سے ہیں ناواقف آشناب

ہنستے ہیں ناخدا پر۔ روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصل جل کے سب مٹ چکے نشان ہیں
 پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں

لے خاک پاک دہلی لے تخت گاہ شاہاں
 ہنگلے اس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہرود
 تقریبِ جشن جس میں ہو کچھ نہ جزِ اخوت
 پائیں صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت
 جن کو نہ ہو بلا و حاکم کا اور نہ قدغن
 خادم ہوں جس قدو ا خادمِ قوم کو ہوا
 خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ واں تواضع
 ٹھہرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میر مجلس
 آئے ہوں اس غرض سے سب ملے تاکہ سچیں
 ہندوستان میں کیونکر باقی رہے نشانی
 نکلیں تو کیونکہ نکلیں ذات سے وہ گھرانے
 ان مدرسوں کا کیونکر جاری ہے فائدہ
 جو مسجدیں ہیں بہر ذکرِ خدا سے واحد
 جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں سرور
 اے شہنشینِ اسلام اے معدنِ سلاطین
 پیش نظر ہیں تیسے سب لگے ساز و سامان
 پر کوئی جشنِ قومی آتا نہیں نظریاں
 ملکوں سے جمع آکر جس میں ہوئے ہوں اخواں
 خرد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
 لایا ہو کھینچ کر دل ان کو نہ حکمِ سلطان
 مخدوم جتنے ہوں واں سب قوم پر ہوں قریاں
 ہوں خود ہی میزبان وہ اور خود ہی ہوں مہماں
 چاہیں جنہیں بنائیں وہ آپ میر سامان
 دنیا میں کس طرح ہوں سرسبز مہرِ مسلمان
 اُس قوم کی کہ تھا کل جن کے وزیرِ فرماں
 اعزاز لے تھا باندھا جتنے بڑوں کی پیاں
 جتنے سب سے زندہ نامِ حدیث و قرآن
 محفوظ عادتوں سے کیونکر ہوں انکے اکاں
 اپنی طرف سے لیکن ہے سعیِ فرضِ انساں
 لے پائے تختِ سادات لے دارِ ملکِ مغلاں

تو جشن گاہ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے

ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

اس باغ میں بہاریں جو جو گزر چکی ہیں
 کل جشن فتح تھایاں ہے آج جشن شادی
 بلبن کے آج مہماں خاقاں ہیں اور ملاطیں
 فیروز شاہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد
 تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل
 مغلوں کے اڑے ہیں کل جشن فتح نصرت
 آتا ہے آج بابر دودی پہ فتح پاکر
 کل سوریوں میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے
 ہے جشن فتح پھر کج چغتائیوں میں برپا
 جن دھوم سے ہے گھر گھر جشن جلوس اکبر
 شاہ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سمانا
 تیار ہی اس خوشی میں جشن عظیم کی ہے
 اطراف ہند سے ہیں اعیان ملک آئے
 ارکان سلطنت میں سب پائے تخت حاضر
 وہ جشن کریزوالے گونا گویاں ہیں
 آج کھنوں کے روبرو ہے گویا سماں سوار
 ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
 اصطخر ہے کہ دلی بلبن ہے یا کہ دارا
 دولہا بنا ہوا ہے تریٹیں سے شہر سارا
 بہرا نعت ہے میدان میں صف آرا
 تیمور سے زمانہ ہے بر سر مدارا
 ہیں شوق شاہ فو میں پیر و جواں خود آرا
 مغلوں کا آ رہا ہے گردش میں کچھ ستارا
 اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قتل آرا
 ہے گرد اُس کے آگے جشن تباہ و دلا
 تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارا
 گویا کہ ہے جہاں میں جشن سدا دو بار آرا
 پاکر حضور شاہ سے سب جشن کا اشار
 بالائے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا
 پر جشن ایسے ایک سب زیب ستاں میں

لے سدا ہنگ کو کہتے ہیں جس سدا وہ جشن ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے
 اقل جمشید نے پھر میں سے اگل بچنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲ +

مرنے کا کمال تو کمال تر نظر آتا تھا یاں
 سبوح آتا تھا کمال جی پند چھپ جاتا تھا یاں
 یا یہ اب پہنچی ہے ہم میں ذوبِ قحط الرجال ایک اٹھ جاتا ہے۔ نیا سے اگر صاحبِ کمال
 دوسری بلتی نہیں دُنیا میں پھر اس کی مثال ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے مثال
 ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
 مرثیہ ہے ایک کا اب لوحہ ساری قوم کا
 سنتے ہیں صلیٰ سخن میں غنی بہت وسعت کبھی تھیں سخنو کیلئے چاروں طرف راہیں کھلی
 داستان کوئی بیان کرتا تھا حُسن و عشق کی اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی
 گاہ غزلیں لکھ کے دل یار دیکھ کر تے تھے لوگ
 گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ
 پرہی، ہم کو مجالِ نغمہ اس مغل میں کم راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم
 نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم کوئی یاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم
 سینہ کو بی میں ہے جب تک کہ دم میں دم رہا
 ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا
 ۱۵۔ ترکیبِ بند مرثیہ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۱ھ
 جو جمن ایجوکیشنل کانسفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا
 یہ خاک۔ آج جس پر ہیں جمع اہل آرا یاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا

کوہِ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار وضع اس کی۔ جو کتنی وضع سلف کی یادگا
 قوم کے ازیا درفتہ خواب کی تعبیر تھی
 عہد عالمگیر اکبر شاہ کی تصویر تھی
 سر پہ دنیا کے علایق کا تھا گو بارگراں پر ہر حالت میں ہلکی چول سی ہتی تھی جاں
 پا بگل دنیا میں۔ پر دنیا کے غم سے برکراں رنج ہو یا خوشی جب جا کے دیکھو شاد ماں
 ظاہر پابند تھا دنیا کی رسمِ دراہ کا
 دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا
 منقبض اس کو نہ کنزات میں پایا کبھی غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہل لایا کبھی
 دل کسی باوجود مخالف سے نہ کھلایا کبھی تلخی دوران سے چتوں پر نہ میل کیا کبھی
 کی بسر دار المحن میں بزمِ عشرت کی طرح
 عمر کاٹی دونرخ دنیا میں جنت کی طرح
 مٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگا قوم میں جس کی مثال آئندہ کم دیکھیں گے یار
 گل کھلائے گی نئے رنگش میں ابابہلہ رنگ ہوگا جن میں لیکن بونہ ہوگی زینہار
 کرتے ہیں جب ان حوادث کی نظر انجام پر
 قوم میں اک ہم کو سنا نا سنا آتا ہے نظر
 اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق مددگار اہل علم و فضل دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
 ایسے حامل خیر دنیا میں نہ ہونگے کشت زائے جیسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار

ہایہ تین جن مجرموں کو اُس نے سمجھا بیٹھتا مارشل لائیں ثبوت ان کی گواہی کا دیا
پہن سے بیٹھتا نہ جہنکے گیا اک اک رہا جو کہ تھے نادار کی ان کی اعانت برکلا

نہ دیا کھانا دیا کپڑا دیا۔ بستر دیا

بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

بقیے جھگڑوں میں کبھی بڑبڑکی جس کی خون تھی دی گواہی بنے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
چنے صورت تک عدالت کی کبھی نہ دیکھی نہ تھی ہاتھ سے جس نے جڑوں کی آن اب تک نہ تھی

بیگنا ہوں کے لئے وہ رات دن چلے میں تھا

پاؤں اک اُس کا عدالت میں تھا اور کمر میں تھا

جبکہ عتقا تھی دیانت بین ابناء الزماں تھی امانت جسکی اُس کے پاس ہلکی یا گراں

خون میں پاس اپنے رکھا اُس کو مثلِ بابا کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن و امان

ایک عالم ناخدا ترسی میں جب بیباک تھا

اس کا دامن تھا کہہ دے سوا بالکل پاک تھا

وضع داری میں نہ تھا اُس کا زمانہ میل وضع میں اُسکی تغیر تھا نہ عادت میں خلل

وقت کی تاثیر کا اُس پر نہ چلتا تھا عمل انقلاب و ہر کی زد سے گیا تھا وہ مکمل

اس کے گئے ان نئے سانچوں کی کچھ ہستی نہ تھی

اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار اُس میں فرق آیا نہ وقت واپس تک نہ بہار

آگ میں تپ کر کمزار ہوتا ہے کندن جس طرح
 وہ زمانہ جبکہ تھا دلی میں اک محشر بپا نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غل پڑ رہا
 اپنے اپنے اعمال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا اپنے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا
 میوہ جرن تھا جبکہ دریاے عتاب ذوالجلال
 پانیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا وبال
 دیکھ کر یاروں کو جب آنکھیں چرچا رہی تھیں ساتھ دینا تھا کسی کا موت ہونا
 یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار
 آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
 جل نہ جائیں اُس کے شعلے و کہیں بسبب خشک
 ہو رہا تھا جبکہ ٹھیلے اور کھڑے کا ہوتا تھا کر رہا تھا اپنے جو ہر خاک کا پتلا عیاں
 ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنواں بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیاں
 راہ روڈ گدا میں تھے اور راہ پر خوف و خطر
 اُس نے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر
 مجرم و بے جرم میں تھا حاکموں کو اشتباہ عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عزیز خواہ
 مجرموں کے جرم پر دیوار و در تھے سب گناہ پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ
 ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اس نے کی
 اہل انصاف اس کو بھولے ہیں بھول گئے کبھی

سود تدبیر و معالج کی خطا کا ڈرنہ تھا

موت کا ڈرنہ تھا مگر ہلک دو کا ڈرنہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر نرجس بھر دیا جس قدر کہتے ہیں معلوم جو جوان سے امراض بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی بھڑا اس کی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرا ماسٹر

نارسانا تھیں دو زمینیں اہل صنعت کی جہاں

جا پہنچتی تھی نگاہ دور بین اس کی وہاں

شہر کے سب دوزن پیر و جوان خرد و کلا تھے قوی پشت اس سے ایسے جیسے پشت سے رکلا

جس کو نسخہ دید یا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہاں زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہیں یاں

گو کہ ماتم ملک میں ہے اس کا ہر سونہ کل

پر گئی اسے شہر تیری جان ہی گویا زنگل

کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے طبیب ادب چارہ گر جو کہ تشخیص مرض میں رکھتے ہوں غائر نظر

خلق کو تکیہ ہو جن کی راے اور تدبیر پر شہر میں سچ کل ملک میں ہوں نامور

مج ہوں محمود خاں کے ذات میں انکی کمال

ہے یہ سب ممکن مگر محمود خاں ملنا محال

راستی اور استبازی انکی تھی ضرب المثل اس کے کاموں میں ریاضتی اور نہ باتوین دخل

امتحان کے وقت جب تھا نظم عالم میں خلل راستبازوں کی گئی تھی ٹھیک جب ہر نیکل

کھوٹ سے اس آنچ میں بکلا وہ خالص مصلح

مُنت بیمار و نکو اس کے دسے ملتی تھی دوا فکر نہ رانہ کا تھا لُن کو نہ شکرانہ کا تھا
 اُس کے استغاثے جھکاتا تھا سمجھو گا
 اور عنایت سے کنول جانا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اُس نے سمجھا مال دولت کو سدا تھے برابر اُس کے نزدیک اغنیا اور بینوا
 گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا کوئی مُفسس کا نہ تھا پُرساں حال اس کھولا
 کرتے ہیں جو دعویٰ ہمدردی نوز بشار
 اُس نے باطل کر دیئے تھے ان کے دعوے سرسبز

طبِ مسلمانوں کی لی اُس کی مسیحائی نے تمام دینہ اب تک اُس کی ترکی ہو چکی ہوتی تمام
 رونقِ طبِ جدید اور اُسپ میل خاص عام درگاہوں اور دواخانوں کا اُسکے انتظام
 دیکھ کر تھا اک زبانہ اُس کی خوبی کا مقرر
 طبِ یونانی گئی تھی خلق کی نظروں سے گر

مُرجنوں کے دیکھ دیکھ آلاتِ اعمالِ حیل آگیا تھا لے میں زود اعتقاد و نئے ضل
 دیں مگر اُس کی مسیحائی نے سب یائیں بیل طبِ یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل
 سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت خزا
 ایک طاقت اُس کے حملوں سے ہوئی ہمدہ برآ

عکس جاتے تھے شفاخانوں میں خاص عام ب پرالچھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب
 خلق کا پھر لمبا و ماوی اسی کا تھا مطلب اُسکے بیماروں کو گویا یوس ہوں یا جاں بلب

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیئے واعظاں قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ مخمور کھلے کھراپنا دکھا کر چل دیئے کچھ میچلے کھے کروڑوں کو جگا کر چل دیئے
ایک تھمہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا

لے گئی نیل مٹاؤں کو بھی لے دتی بہا

جا چکی تھی تجھ پر گو لے شہر عظمت قوم کی ہو چکی تھی آبرو مدتِ رخصت قوم کی
پر کچھ اک محمود خاں کچھ سے تھی پت قوم کی اٹھ گیا وہ بھی جہاں آہِ قسمت قوم کی
کیا دکھا کر اب دلائے گا سلف کو یا د تو

ناز اب کس پر کرے گا لے جہاں آباد تو

تجھ میں ہے دلی! کوئی اب ایسا مقبولِ دل نازش دارِ اختلافِ مرجعِ ہندوستان
ہند سے لے تا عرب کثیری سے ناانڈیاں بچہ بچہ کی زبان پر نام ہے جس کا رداں
نیم جانوں کا میٹھا اور غریبوں کا طبیب

خود حکیموں کا معالج اور طبیوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں سپر وایا کیلئے زباں؟ واقعاتِ زندگی کر دیجے گرائس کے بیاں
سمجھیں اک افسانہ ناواقفِ احوال و اسباب ہے تعجب نیز الحقِ سیرتِ محمود خاں

یاد وہ اک جو ہر الگ تھا جو ہر انسان سے

یا بھٹکتے اب نہیں ایسے جو اہرِ کان سے

اُس کا تھا دیوانِ خانہ ملک کا دابر الشفا خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں تانا بانہا

جو گیا۔ اُس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر
 کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ کی فکر گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ وافر
 جھڑ گئے تلخ شرف و تیرے سب عل و ہر تجھ کو اے دار الخلافہ کھائی کس کی نظر
 علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاؤں
 لے گل پر مردہ تیری کیا ہوئی بے باس وہ
 دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا بجبتے بجبتے تھا کچھ اک تو نے سنبھالا سالیہا
 خاک نے یاں تیری پھر اگلے وہ لعل بے بہا جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نامِ سلف کا
 عدا مافی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا
 خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا
 جاہ و ملکیت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی تھی پر نہ کی عرض ہنر میں تو نے اب بھی کوتاہی
 اس بزرگی سے گذاری تیرے عینِ فتنہ کی پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویرِ دورِ اکبری
 غمِ دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
 ڈال دی پھر اپنی تو نے چاروں ہر فنِ مہم
 ملک میں ہر سودھی پھر بول بالا تھا ترا تھا جہاں علم دہر گو دوں کا پالا تھا ترا
 مٹی جہاں کچھ روشنی و سب اجالا تھا ترا پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا
 چاند بھگلا تھا گن سے جو وہ پھر گنا گیا
 چار دن کی چاندنی مٹی پھر اندھیرا چھا گیا

جگمگاتا تھا تجھ میں ترکِ فرسِ روم و رنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو نگہاے رنگِ رنگ کا

لیکن آخر طبعِ دوراں کی جیسے اقتضا ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پیرا کر چکا وقت اے جانِ جہاں تیرا بھی آخر آنگا
گردشِ افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کچھ آخر گلی کرنے بہار

تجھ پہ لے دارِ خلافت انقلاب آنے لگے غیبِ تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے
طلحِ مشفق کے پیغامِ عتاب آنے لگے تیرہ بجتی کے نظرباروں کو خواب آنے لگے
دولت و اقبال کا بندھنے لگا رختِ سفر
تجھ سے اے دارِ العلوم اٹھنے لگا علمِ ہنر

ہو گئے تیرے محدثِ راہی دارِ اسلام کو گئے دنیا سے رحلتِ تیرے مفتیِ اوزم
ہو گیا رخصت جہاں سے تیرا جاہ و حشام رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبِ تیری تمام
مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر دیواں ہوئے
خانقاہیں بے چرخ اور مدرسے فیراں ہوئے

چل دیے نوبت بہ نوبت تیرے شاعرِ ادیب مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئی تیری طبیب
جاگ جاگ آخر صد اکو سو گئے تیری نصیب اس گستان کو نہ اٹھو پھر صدائے عندلیب
جن کو کھو بیٹھے نظیرانِ کا کہیں پایا نہ پھر

حُسنِ صحت میں اگر ضربِ الشلِ نواذ تھا

حُسنِ معنی تیرا حصہ ہے جہاں آبا و تھا

ایکے ساتھ اسلام بکھلا تھا عرب کے علوم جن میں تھی اسلامیوں کی چار عالم میں دھوم
دولت و اقبال کا جہنگ سا تجھ پر هجوم کھیتوں پر تیری برائے تھے آنگے جھوم جھوم
آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصلِ خربا

تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سماں

جس طرح تھا فضل و دانش میں تیرا شہور نام تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہور نام
آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص دعاء شہری دہدی تری تقلید کرتے تھے دعاء

رسم میں آئین میں اوضاع میں اطواریں

طرز میں انداز میں رفتار میں گفاریں

رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چندال واصل تھے سچے میں گویا تھے عاداتِ خصال

آگے بن جاتا تھا یا نقصان انسان کا کمال تیرے پہچاویں سے موتی بکے جاتے تھے بسجلا

آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھیاں

چار دن میں اُدھی صورت بکلی آتی تھیاں

تیرا معمورہ تھا اک عالم میں مرجع اور آب آن کو لیتے تھے یاں ٹھیک جہانکے انتخاب

بستے تھے اطراف و آس کے تجھ میں شیخ و شاگرد کیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

۱۵ نواذ و غلام و شہر ترکستان میں تھے جو حسنِ فیزی میں مشہور تھے ۱۲

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آبا و کا

نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں دلچسپ تھا مذاق علم و دین جیسے امی تجھ میں تھے عالم تھے ایسے کمین

ہند میں جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوش چین مقلی محدث خیر ہے پاتخت تیری سرزمین

تھا فقہ بھی مسلم تیری خاک پاک کا

بیہقی وقت تھا اک ایک نقیہ اس خاک کا

شافعی اور تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر آب و گل کا تیرے تھا گویا تصوف کے غیر

تیرے کھنڈر میں پڑے سو پہن دھنیر تھا کبھی الوار سے جن کے نماز مستنیر

آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے

تیرا قبرستان اس دولت سے ملا مال ہے

طب میں گویا نانیوں کا سب آگے تھا قدم آن کر اس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم

جب کہ تو آباد تھا دنیا میں لے باغ ارم بھرتے تھے تیرے اطباء بھی سبجائی کا دم

ہند میں جاری تھی سے طب یونانی ہوئی

شہر شہر اس منس کی یاں تجھ کو ازانی ہوئی

خاک اٹھے ہیں تیری جیسے جیسے کشہ ایک جہاں شیوا بیانی کی پوران کی باخبر

راس مٹی آئے ہوا تیری سخن کو جس قدر سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوئے غافل

لہ غافل و غافل کے قریب ایک لمحہ نہیں جہاں کا سر و جہاں فیضیائی و راستی میں ضرب المثل ہے ۱۲

ایکجاں جائیگا یاروں کا نہ پھر رنج سفر
 فرو فرود آتے ہیں جو جاتے ہیں یاں سے مجمع
 تم ہمارے کام آؤ ہم تمہارے کام آئیں
 قوم کی خدمت میں ہی مضمر ربوبیت کی شان
 قوم کی ذلت کو ہمیں ذلت اپنی سبب عزیز
 سال بھر رہتا ہی نقش ابنِ عمر کا یادگار
 کر رہا ہے قوم کے سرکل کو یہ مجمع وسیع
 اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
 ہے کبھی افراط باران اور کبھی ہی فحیط آب
 کال ہو گراں برس تو ہو ساں لگے برس
 دیگ تو پکتے ہی یہ پکتے گی وہی آج میں
 انجن بے قوم کی ہنگامہ شادی نہیں

ایک دن کا کام کچھ رومانی آبادی نہیں

۱۴۔ مسدس مرتبہ رحمۃ اللہ علیہ ہجری

مرثیہ جناب حکیم محمود خاں مرحوم دہلوی

اے جہاں آباد۔ اے اسلام کے دارالعلوم
 اے کہ متقی علم و ہنر کی تیرے اکل عالم نہیں مرقوم
 تھے ہنر و تجھ میں اتنے۔ جتنی گرد و غبار
 تھا افاضہ تیرا جاسی ہنر تو ناشام دروم

ایک جانب بستی فطرت ہے اور دوسری
 جبکہ پڑے گرا سطر نہ تو مفت کھو بیٹھ نہیں
 ڈھل گئے گرا سطر تو اس بلا میں بھنس گئے
 برکتیں اللہ کی اس قوم پر جس قوم میں
 ہیں مصلحت اغنیا اوبے نوا کوتاہ دست
 جو قویٰ ان کو ملے ہیں کام میلائیں انہیں
 فرض ہیں جو ان کے ذمہ خالق اور مخلوق کے
 قوم ہو گرا تو ان تو تقویت بخشیں اُسے
 گو نجات اہل سال کو مکروہات دنیا سے نہیں
 کام دنیا میں سوارے ہیں جنہوں نے قوم کے
 سارے بھگتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کو کام

ایک جانب بستی وغفلت ہے اور کبر و بطر
 وہ جو اڑنے کے لئے حق نے دیئے تھے بال پر
 جمیں بھنس جاتی ہے ممتی شہر میٹھا جان کر
 رہ سپر یہ طبقہ والا ہو سیدھی راہ پر
 سب کی پڑتی ہے انہیں کے درست بازو پر نظر
 تاکہ زندوں کی طرح ہو زندگی ان کی بسر
 ان میں سرگرواں ہیں دیوانہ دار آٹھوں پہر
 کیونکہ اُسکے ضعف ہے ابھی قوت کو ضرر
 جن سے بچا گوشت سے ناخن چھٹا نہ ہے۔ مگر
 تھے نکتوں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
 اور دائیں سے ہمیں قوم کی کرتے تھے سر

جس طرح اس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام
 قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہے آس بسکی وہ جماعت ہے یہی
 اتفاق قوم ہے اقبال دولت کی دلیل
 مال و دولت نامبارک ہے نہ ہو گرا اتفاق
 یاں وکیل ایک ساک ہے شہر اور ملک کا قائم مقام

جس سے جان آتی ہو مردوں میں ملاقات ہی
 رانی کو گرتی ہو جو پرست وہ قوت ہی
 قوم جن دولت کی بھڑکی ہو وہ دولت ہی
 دانہ کو گرتی ہے جو خمن وہ برکت ہی

مشکلیں اکثر انہیں سے قوم کی ہوتی ہیں حل
 ہے انہیں کے دم سے جو ہر گئی ہنگام آج
 ہے جہاں دولت یہی ہیں نظم دولت کے کفیل
 ہاتھ میں انہی ہیں جتنے عقل و دانش کو یکدم
 ہیں گداؤں کو سیلے اور شاہوں کے شیر
 آدمیت سیکھتے ہیں ان سے رہ گئے بڑے
 یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یاں
 پاؤ گے ان میں طیب ہیں بیان بر خطیب
 پاؤ گے ان میں جہتیں پاؤ گے ان میں حکیم
 کرتے ہیں خلاق ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ
 ان میں قوموں کے مصلح ان میں ملکوں کے کفیل
 پھونکتے ہیں روح قومیت یہی اخلاقیں

دم سے ہے وابستہ ان کے قوم کا سارا نظام

یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا تو ا م

گرنہ ہو بہر حال میں ان کی مصلحہ پر نظر
 کمیلتی ہے جس طرح بتیں انہوں میں زبان
 ہے انہیں بھی شریعوں کا پیکار ہوا مگر
 اور ستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر

بھائیوں کے بازوؤں میں منہ و طاقت ان سے ہے
 ساری قومی مجلسوں کی زیرِ زینت ان سے ہے
 ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برکت ان سے ہے
 عقل و دانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت ان سے ہے
 شاہ ہوں ہوں گداؤں کو قوت ملان سے ہے
 نوع انسان میں بقائے آدمیت ان سے ہے
 ملوث بازار جنس علم و حکمت ان سے ہے
 ہے اگر انسان کو حیوان پر فضیلت ان سے ہے
 آدمی مصداقِ رحمانی خلافت ان سے ہے
 آدمی سب میں مگر انسان عبارت ان سے ہے
 آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت ان سے ہے
 ہے جہاں قوموں میں یکجہتی و وحدت ان سے ہے

ہے عجب دنیا میں نعمت و درمیاں کی زندگی
چہن ہے دنیا میں گر کچھ تو ایسی حالت ہیں
فقر و ثروت فی المثل ہوں تیرے اور جنت اگر
وخل شیطان کا ہر جس میں ایسی جنت کو سلام
اس کٹھن منزل میں ہے بیٹا یہی اک بخطر
رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت بن ہیں
اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آگے رشک
سن کے ہو جاتے ہیں سیسے وہ بڑوں کا فخر و زنا
لذت فقر و غنا دونوں سے ہیں آشنا
جو گزرتی ہے گدا پر اس سے ہیں وہ باخبر
امتحان دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہونے
اس لئے جب دیکھتے ہیں عسرت بنائے جنس
اور نہیں کرتے زبان طعن بیدری سے ما
مست کی بے اختیار سی تشنگی مخمور کی

جنت اور دوزخ ہے ہر بیانیوں پر جلوہ گر
گدہم اور زقوم دونوں ان کے ہیں پیش نظر
دل تھانا اور قوی یا رومی کی ہمت ان سے ہے
نظم ہر قوم و ملت کی جماعت ان سے ہے

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت مولے کے شکر کی طاقت نہیں

نشہ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال
نفس آمارہ اور اس پر بھیڑ مال دجاہ کی
باد صحر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
ہم غم کرنا اور بچانا مال و دولت کا ہے بس
ورنہ مال دجاہ و ملکت کا جہاں آیا قدم
عقل مٹھراتی ہے جو افعال انسان پر حرام
فقر میں تھا نفس دولٹا ماندہ جس پر داز سے
خواہشیں یوں نفس میں بزم بزم بڑھ گئیں
آپ کو گفنے لگا بالائے تراز ابناءے جنس
سرنے نہ ہو جیسے قرض خواہوں میں گھرا
جھک پڑی طبع دلی کو محلِ سخت کی طرف
اور اگر بھوت اس کے سر پر چڑھ گیا اس طرف کا
آگیا غالب طبیعت پر اگر استقلے حرص
باڑہ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدب
گلشنِ دولت کے ہوں انگوٹھی بھی اگر

اس مئے مرد آرمائی بھی بہت مشکل سے
ڈھیر ہے بارود کا دیکھے پتنگا جھپٹال
جس طرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہوا
نفس انسان میں اگر بالفرض ہے کوئی نکال
اور مجھے سلب آدمی سے آدمیت کو خصال
کر دیئے اسکے لئے سربالہ دولت و خصال
آکے ثروت نے دیئے پروا سے اسکے نکال
مغرب میں جس طرح دیوانہ کے گوناگوں خیال
چیونٹوں میں ایکے گویا بھکالے پرو بال
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہوا بال
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اسکی د بال
پھر نہیں گنجینہ قارون کچھ آگے اس کے مال
ہے سمن سے بھی اسکی پیاس کلا بھنا محال
جس قدر ثروت میں ہو دشوار پانا اعتدال
دیکھ لے رہا نفسوں حذران سے حذر

راحتیں اکثر میسر نہیں مٹھلیوں کے بعد تاکہ کھو بیٹھیں نہ ہم ان راحتوں کو رائیگاں
وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال
قحط اور طوفان دونوں سے بچایا بال بال

الحذر اس فقر و ناداری سے سو بار الحذر
چالوسی جلکے کرتے ہیں سفیموں کی فقیر
وزن میں علم و فضیلت جگہ ہے ہم سنگ کو
فقر و حاجت میں ہوا انسان کو جب بے شک
بھیک منگوائے جو اکلوالے یہ چوری کئے
ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اشدک
گہ زباں آلودہ اس کی شکوہ تقیر سے
گر بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ
انکھ نہ ہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ
گہ وہاں عام کی مانگے دعا اٹا سے
اور کبھی چلے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
بے حلاوت آہنی دنیا اور مذہب اسکا دین
رات اکی حسرت آگین اور دن اندھ بگین
گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا

لو مڑی جلتے ہیں بن جسکی بد دولت شیر نہ
ناکوں کے ناز بجا ستے ہیں اہل ہنر
وہ سب تر وادہ خردیل سے آتے ہیں نظر
پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر
پت گناہ آبرو کھوئے پھلے در پدہ
لے سکے محتاج جو روکی نہ بچوں کی خبر
اور کبھی بوجھاڑ اس کی آسمان پیر پر
ہو نہ جب و شتم سے سیری لے دو دہر
کھول دے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر
تاکہ دولت مند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر
تاکہ ہو جائیں بلند دولت سب زیر و برب
خوفناک اس کا ارادہ نیت اس کی پر خطر
شام اس کی پر نحوست اور شوم اسکی سحر
تھا مگر ثروت میں اس سے بھی زیادہ شور و شر

جب ہوئے پیاسے تو بخش آب شیریں اور فرنگ
 ڈھانکا چاہا بدن جب۔ تو دیا تو نے باں
 کھانے پینے کو کئے برتن ہیں تو نے عطا
 سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہیں
 پہننے پہننے کو دیئے گھر تھے ہم کو ہر جگہ
 آنے جانے کو دیئے دوپاؤں ہاں تو نے ہیں
 راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگام حرام
 کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر
 سیم و زور وقت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
 آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
 نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں

پرنہ ایسا۔ ہو صراحی جسکی یاروں سے نہاں
 پرنہ ایسا جسکو حسرت کے کلیں خورد و کلاں
 پرنہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جسکو ہو خون زیاں
 پرنہ ایسا۔ جس سے اٹھنا ہو طبیعت پر گراں
 پرنہ ایسے۔ ہو تعلق جن سے مشن جسم و جاں
 جن سے ڈرنے بھاگنے کا اور گھر کا گماں
 کوہ سدر راہ جن کا اور نہ خندق اور کوہ
 پرنہ ایسی۔ تخت فرعون کا ہو جس پر گماں
 پرنہ اتنا۔ ہو نگہبانی میں جس کی بیم جاں
 پرنہ ایسی۔ جس سے ہوں محمود ابنائے نواں
 تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں

سلطہ جاوید ص ۱۰۰ بحالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی
 کوشش اور سلف ہمت سے دولت و عزت و نیک نامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کر کے اپنے
 ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجے سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو اپنی پست حالت سے
 آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں بڑھ سکتے اعلیٰ درجے سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو
 دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کر کے نیک ضرورت نہیں سمجھتے
 اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس سے تنزل کرنے کا کچھ ارادہ نہیں کرتے ۱۲ حالی

گرچہ کسی ہے کوشش ان نظموں کے لکھنے میں بہت اور جگہ محنت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
 رہ گیا پر ہم سے اس کوشش میں باقی ایک تصور ممکنہ فرمائیں گے سرکار اس سے ہے یقین
 اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ مگر بھوٹ۔ جو اشعار کا ذریعہ ہو وہ ان میں نہیں
 ۱۲۔ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدر آباد

در شکار اضافہ مولیفہ بہ پیشگاہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہ سلہ
 بے بشیر دولت و دین نایب شاہ دکن اے مہابت دکن کا ذات پر تیری مہار
 مجھ پر فرمایا ہے جو طلع و کرم سرکار نے شکر اس کا کر نہیں سکتا ادائیں نہ ہمار
 جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ و مقصود پہلے ہو لیتے ہیں صد ہا مشکلوں کو وہ دو چار
 کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
 پر ملا مقصود جب حالی کو اس سے ملا بے ترد۔ بے تذل۔ بے طلب ہے انتظار
 قدر دانی گزرا نہ میں یونہیں ہو جا عام پائیں بے مانگیں مڑاویں اپنی سب امید وار
 یا رب اس سرکار کو ہی جس سے عالم فیضیاب جب تک دنیا ہے دنیا میں رکھو برقرار
 ۱۳۔ ترکیب بن مرتبہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۳۰۹ھ

جو عثمانیہ یوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا
 شکر اس نعمت کا یا رب کہ اسکے کیونکر زباں نے رکھا ہنگویاں فقر و غنا کے درمیاں
 جب چو بھوکے تو بخشی تو نے نان ناز بخش پر نہ اتنی مہرہ و احشا پہ چگدرے گراں

ملے اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقر اور اغنیا دونوں کی رقیبہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱ پر

تقویت سے جس کی ہر مشکل ہماری جان بچائی۔ انجمن کے منعقد ہونے کی دی جس نے ونا
 پھر ادا کر جان و دل سے شکرمہ انجمن جس نے قومی انجمن میں بن کے صدر انجمن
 جس نے قومی انجمن میں بن کے صدر انجمن قوم کی دی عزت اور انکی ہمدیں میں بڑھا
 لیکے اذن صدر مجلس کیجئے پھر قضا وطن ورنہ ہے حالی دکن کی دلفریب آب و ہوا
 بادھ لیجئے جلد اب رخت سفر ڈھو کہ ساتھ قافلہ سے چھٹ نہ جائے قافلہ سالار کا
 ۱۱۔ قطعہ مرتبہ ۰۹

بمقام حیدر آباد دکن

یابلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے اول اس کا شکر کرتے ہیں اور بجا ازیں
 خدمت والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے عرض کرنی کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
 شاعری جس کی جگتے ہیں کمال ابنائے ہر جولیاقت ہمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں
 فکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا حضور چند نظمیں انجمن میں اس لئے ہم نے پڑھیں

۱۲۔ ہم میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل سرسید احمد خان بہادر
 کے ہمراہ علیگڑھ محمدن کالج کی طرف سے بطور ڈپوٹیشن کے حیدر آباد دکن میں بحضور سرکار عالی نظام حاضر
 ہوئے تھے۔ اس موقع پر ایک عام جلسہ بصدرت نواب وقار الامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا جس میں راقم نے
 اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھی تھیں، جلسہ کے بعد جناب
 انجمن نے مجھ کو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لئے دولت خانہ پر طلب
 فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزون کیا گیا تھا۔ راقم نے پڑھا تھا ۱۲

ذی یاقوت جتنے قوم رستان میں انتخاب
 تربیتیں اور خانقاہیں۔ مدد سے اور سجدیں
 حج بیت اللہ سے۔ جو ہر مسلمان پر فرض
 اقل آنا چاہیے یاں ہتطاعت کے لئے
 خرچ کرے تا کہ اک مسلمان کا ہو گرا تر میں تنگ
 خواب آتے ہیں دکن کے اُس کو سوتے میں نظر
 ہٹ میں کرتے ہیں کوشش جو رفا خلق میں
 چلتے چلتے ابھی گٹاری بھی اٹھاتی ہے جب
 ہو دکن کی مسلمانوں کی یارو وہ مثال
 تھا جہاز اک ہمیں معور اہل فضل و جاہ سے
 ڈوبنے والے تھے جو وہ ڈوب کر اٹھنے پھر
 کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں اُن کو نظر
 ہے وہ زورق فی المثل سرکار آصفی اہل
 ہے دعا جو وقت تک پانی سمندر میں ہے
 ختم کر حالی سپاس صدراعظم پر سخن
 لے جب گاڑی یا چمکڑا بیلوں سے نہیں کچھ
 لگا دیتے ہیں اُس کو بینڈیا کہتے ہیں ۵

دولت عالی نے چُن چُن کر لیا سب کو بلا
 سب کی ہوتی ہو مدد اس گھر سے بچون و چرا
 ہے دکن آنا مقدم۔ شک نہیں اس میں دُعا
 کیذکر ہو بے ہتطاعت حج کو جانا ناروا
 ہے دکن کی سمت وہ گردن اٹھا کر دیکھتا
 قوم کا۔ پھٹل سے جب ذرا آگے بڑھا
 اور مدد کو جن کی واں حاضر ہے چھوٹا بڑا
 کھینچنے کو اُسکے جانا ہی ہیں سے بینڈیا
 اک سمندر ہی کہ ہر سو جس میں ہے طوفان پنا
 لطمے امواج نے پر نے دیئے اُسکے اڑا
 بچ ہے ہیں جو وہ ہر سو رتے ہیں دست دیا
 اس محیط بیکراں میں ایک بندق کے سوا
 ہے مسلمانوں کو اپنے دے کے جس کا آسرا
 یارب اس زورق کو تو موجِ حوادث سے بچا
 بال بال اپنا ہی جس کے شکر میں جکڑا ہوا
 لے جب گاڑی یا چمکڑا بیلوں سے نہیں کچھ
 لگا دیتے ہیں اُس کو بینڈیا کہتے ہیں ۵

ہم کو یاں کہنا تھا کچھ اور کہ گئے بھٹے سے کچھ
 قصہ کو تہ۔ باجب ہم کو ملا دربار میں
 دیکھ کر اپنی رسائی تخت آصف جاہ تک
 حضرت والائے جس شفقت کیں نذیر قبل
 جس توجہ سے شئی رو داد قومی در سگاہ
 جسے کل کی علی گڑھ میں بنا ڈالی گئی
 جو لگایا تھا دخت اس کی ہمیشہ لی خبر
 اب کہ وقت آکر پڑا تھا بانی کلج پہ سخت
 مشکل جس طرح کی تھیں قوم کی اول کل
 خود علی گڑھ کلج اور اس کے درو دیوارب
 ہند میں باقی ہیں نسلیں جب ملک اسلام کی
 کی ہے سریت نے جو کوشش فلاح قوم میں
 پر پتھر سے بیڑا پار ہونا تھا محال
 تھا پڑا سید کاچ پوچھو تو خشکی میں جواز
 ہے روایت۔ جبکہ ہجرت کو ختم المسلمین
 جس طرح ہوتی ہے بابی سانپ کی جانے پنا
 ہے بلا تشبیہ۔ دار الملک آصف جاہ بھی

ہنگند کی سیر نے منزل سے غافل کر دیا
 کہ نہیں سکتے تھے بیداری تھی وہ یا خواب تھا
 واقعہ مور اور سید مان کا ہمیں یاد آ گیا
 اُس پر گرجان اپنی ہم قربان کریں تو ہے بجا
 شکر سے اس کے نہیں ہو سکتے ہم عہدہ بڑ
 دولت علی مدد کرتی رہی اس کی سدا
 دم بزم پانی دیا بیاں تک کہ بار آور ہوا
 دولت علی نے شرط دستگیری کی ادا
 کی اسی ویسا دلی سے ان کی پھر حاجت روا
 راگ گائیں گے سدا احسان آصف جاہ کا
 جیتے جی ہونگی نہ اُسکے طوق منت سے رہا
 اس کو ہے لے اہل مجلس اک زمانہ جانتا
 دولت علی اگر بنتی نہ اس کی نا خدا
 دولت علی نے اس خشکی میں دی گنگا ہسا
 پینے شرب میں تو یہ ارشاد یاروں سے کیا
 ہو گا لجا اب مدینہ بھی یو نہیں اسلام کا
 ہند میں اب مرکز اسلام بے روڈ ریا

وارث ملک دکن ہے آج وہ محبوب خلق
 ہم کہ ہیں وکٹوریہ کے عہدِ رفت میں بے
 جلتے ہیں ہم کہ پتی ہے رعیت کس طرح
 کرتے ہیں کس منتر اور افسوس سے تسخیرِ قلوب
 کر لیا محکوم کول میں اگر حاکم نے گھر
 ہے یہی شاہِ دکن کی گتہ بانی کی دلیل
 پوچھنے گھننے کی اہل ملک حاجت نہیں
 دیکھتے آئے تھے جیسے راہ میں ہم سبز زار
 راہ میں دیکھے تھی ہم نے کوہ اگر گردوں شکوہ
 عالموں کی سخت گیری ہی میں رہنا دیاں
 آغیا میں ہم وہ استغنائیں نے کہیں
 جتنی یاں تو میں ہیں بے کھتی ہیں باہم میل جول
 ایک کے تنوار میں بے عذر ہیں سارے شریک
 دولتِ عالی نے حق سب کو برابر میں دیئے
 پارسی - ہندو - مسلمان - یا مسیحی کوئی ہو
 نام پر دیتا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا
 اس نے آزادی کی ہم نے کھائی ہر برسوں ہوا
 کس طرح ہوتے ہیں مقبول جہاں فرما زوا
 کس طرح جوتے ہیں دل میں خلق کے خچم و فا
 تو نہ مجھو حق حکومت کا کیا اس نے ادا
 گتہ اپنے گتہ ہاں پر جان و دل سے ہر خدا
 اٹکی خوشحالی پہ انکی تازہ روئی ہے خدا
 خلق کو سرسبز دیکھا آکے یاں اُن سے سوا
 آکے وار الملک میں دیکھے محل گردوں نما
 بیوا سے منعم اور منعم سے بڑھ کر بے توا
 جیسا بے پروا نظر آتا ہے یاں ایک اک گدا
 بے قصص بے تکلف بے تصنع بے ریا
 ایک کی تقریب میں ہمد میں رہتا ہم فدا
 ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہیں یاں دوسرا
 ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا

لے یہ اشارہ ہے اس محل کی طرف جو کہ نوب دقا لا مر باہار نے بلند حیدر آباد کے باہر جانبِ جنوب
 پہاڑ پر زخمی مر کر کے اپنے رہنے کے لئے بنوایا ہے اور اس کا نام فلک نما رکھا ہے ۱۲ +

۱۰۔ قصیدہ مرتبہ ۳۰۹

اے صفر کی دوسری روز دوشنبہ جزا ہم نہ بھولیں گے کبھی وہ تیری صبح جانفزا
 ہم نے رکھا آگے جب بلدہ کی سرحد میں قدم پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالم نیا
 عزت قومی ترستی تھیں سدا تکمیل جسے اس کے چمچ آنا دیکھے ہم نے یاں شکریہ خدا
 کھنوج میں جس کے پھرتے تھی اک مدت ہم آگے بلدہ کے سوا نہ میں لگا اس کا پتا
 بھیک کو بیکھ تھی تھری کچھ بھکاری قوم کے جھولیاں ڈالے گلے میں در بدر دیتے صدا
 نیچے لینے ان کو وہ اعیان دار الملک سے دولت عالی کو جن کی ذات پر ہے اتقا
 قوم کو ہے بن پہ خزاور ملک کو جن پرانہ سمنٹ کے جو ہیں اعضا اور وزارت کے قوی
 صبر عظیم نے ہمیں بخشا اقامت کے لئے وہ سرابستان نخل ہو جس سے جنت کی فضا
 ہم غریبوں کو تجھ کراک سفارت قوم کی دی وہ عزت شکر جس کا ہو نہیں سکتا ادا
 پیشتر ہماں نوازی کا نقطہ سننے تھی نام آگے یاں مجھے کہ ہر ہماں نوازی چیز کیا
 کی ہے نواب اقتدار الملک نے جو رحمت اس نے کلفت کو سفر کے دل و بالکل دھو دیا
 یہ مقولہ ہند میں مدت ہی ضرب المثل تھو کہ چا پنچا دکن میں بس دیں کا ہو رہا
 ہے دکن کی وہ ہی شاید مسافر پر دسی جو دکن میں آگے دیتی ہو وطن دل سے بھلا

سالہ یہ قصیدہ ۱۰ ستمبر ۱۳۱۷ء مطابق صفر ۱۳۳۷ء میں بمقام حیدر آباد دکن جبکہ ڈاکٹر سید احمد خان بلور

مع اکثر نقاک جن میں سے ایک نام بھی تھا بطور ڈپوٹیشن کے محمدن کالج علی گڑھ کی طرف سے حضور بکر
 نظام میں حاضر ہوئے تھی ایک جلسہ عام میں پڑھا گیا تھا جس کے صدر انجمن جناب نواب وقار الامرا ہما دتھو ۱۲۱۱

۹۔ قطعہ مرتبہ ۳۳۰

تہنیت ولادت فرزند ارجمند در شہستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر دارالہمام سرکار عالی
فیض رب ذوالمنن سے مرثوہ اہل دکن
دی بشیر دولت و دین کو وہ چیز اللہ نے
جس کو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
جس کے بطن سے ہوا داد و ممنون قضا
جس کے بدل میں علی الرغم شہادت پیش کیا
جو بضاعت ہے گدا کی اور دولت شاہ کی
جس سے ستغنی دلی ہیں اور نہ عارف بظنیاز
صدر اعظم کو دیا صد شکر خالق و خلیف
یہ پسر یار ببحق عترت خیر الورے
صدر اعظم کی طرح دربار آصفیاء میں
دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگجا و نشان
بیت و عادت کو اسکی پہلے آن اجداد کی
ملک آصف جاہ میں سر آسمان جاہ اور وہ

نائب دولت کا نخل آرزو لایا ثمر
جس سے پایا دیدہ یعقوب نے نور بصر
حق نے دی جس کے عطا ہو نیکی سارا کو خبر
جس سے پانے سے ہوا ایوب مرمون قدر
حق سے ختم الالباب نے پائے شبیر و شہر
جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر
جس سے ہیں اجداد زندہ اور انا جہ نامور
خلق کی آئینہ عکاس کا ہوا اظہار اثر
پلے عمر خضر فرسائی ہجر پدر
جائگہ قرب سلطانی ہو اس کا مستقر
زیور علم و ادب سے ہو مجبلی اس قدر
جو ہر اخلاق فاروقی ہوں اس میں جلوہ گر
رات دین رکھیں اجالا صورت شمس و قمر

۱۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب بہتر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کی اولاد میں ہیں ۱۲

نشاط و عشرت جاوید کی ہے اُن کو نیک
 سنا تھا کان سے جو ذکر خیر محمد سلف
 بشیر دولت و دین صدر اعظم امرا
 جو ظل حق ہے رعیت کے سر پہ شاہ کن
 ہمیشہ جس کو ہے بہبود ملک و نظر
 اٹھایا فتنہ نے جب سر فرو کیا اُس کو
 بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شوری پر
 دکن کو جس نے کیا مرجع خواص و عوام
 نہ کوئی ملک میں سرکش رہا نہ نافرمان
 بل تنظیم کے دستہ میں پڑے تھے بہت
 دگائے تھے وزیران رفتہ جو پودا
 ترقی اب یہ تمدن میں کی ہے بلد نے
 زمان حال سے ماضی کو دیکھے کی نسبت
 خدا دراز کرے عمر اعظم الامرا
 زمیں پہ سایہ فگن جب تک آسمان ہے
 تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس للیق نذر
 یہی بس اس کے لئے ہو گا مایہ نازش
 دل ایسا جن کو عنایت خدا نے فرمایا
 سو آنکھ سے وہ وزیر دکن نے دکھلایا
 نہیں ہے جس کا کوئی قرب شہ میں پایا
 تو اعظم الامرا ظل حق کا ہے سایا
 رفاہ و امن ممالک میں جس نے پھیلایا
 پڑا عمل میں جہاں عقدہ اُس کو سلجھایا
 مشیر کار خرد پروروں کو ٹھہرایا
 دکن کا جس نے کہ ڈھکجا جہاں میں بجایا
 جفا و ظلم کو توڑا عز و رک و ڈھایا
 سو ٹھکے کی طرح اک ایک بلی بکھلایا
 وہ صاحبی میں وزیر زمان کی چل لایا
 کہ اپنی حالت پیشین سے خود ہی شرایا
 اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا
 دکن کو جس کی حکومت دین دیکھلایا
 رہے دکن پہ حضور نظام کا سایا
 سو یہ چکا منہ ناچیز و شکش لایا
 جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم
 مگر یہ عاریتی انسا ط ہے سب یہ سچ
 فریفتہ ہوئے جو ایسی ایسی خوشیوں پر
 خوشی ہے جس سے عبارت وہ خوشی انہی
 جنہوں نے دین کے گرتے ستون کو تھاما
 جنہوں نے ملک کے امراض کو کیا تشخیص
 جنہوں نے خلق سے اپنا بنایا غیروں کو
 خیر نصیوں کی لی جاہلوں کو دی تعلیم
 ہوا زمین پر جس سال آسمان مُسک
 ہوا سے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد
 سدا غریبوں کی امداد پر ہیں چوتیار
 ہمیشہ مانگنے والوں کو بیدار بلغ دیا
 نہ سمجھا آپ کو اک پاسان سے بڑھ کر
 نہ پانی کھانے میں لذت نہ چین سے سوتے
 و غایں شیر مگر وقت رحم مور ضعیف
 وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تا بلج
 وہ چونک اٹھے کہ گویا قیامت آپہنچی
 تو سمجھو غم کا عوض غزدوں نے بھرایا
 اس انسا ط پہ غافل ہے جو کہ اترایا
 انہوں نے آب کا دھوکا سرب پر کھایا
 جنہوں نے خلق میں ذکر جمیل بھیلایا
 جنہوں نے علم کا بجھتا چراغ اگسایا
 جنہوں نے قوم کے افسردہ دل کو گرمایا
 جنہوں نے لطف و وحشی دلوں کو پرچایا
 بھلایا بھوکوں کو بے پوششوں کو پھنپھنایا
 مینہ اپنی داد و دہش کا انہوں نے برسایا
 فضا سے دہر کو خلق حُسن سے مرکایا
 لیا سنبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا
 نہ مانگ سکتے تھے جو ان کے گھر پہ نہنچایا
 انہوں نے عطف حکومت اسی میں کچھ پایا
 ستم رسیدہ کا جب تک کہ حق نہ دلوا یا
 کسی کی آہ سنی اور دل ان کا بھرایا
 جو شاہ راہ میں پتا کسی نے کھڑکایا
 جو در پہ آکے کوئی داد خواہ چلا یا

اجنبی ہے یہ دُعا ہے کہ جہاں ہیں جیت تک شکر احسان کا کرتے ہیں بعد از احسان
آسمان جاہ سے ہو تقویت ملک دکن اور ہے ملک کن ملجا و ماوے جہاں
دولت قیصری و دولت آصفیاء ہی ایک کی ایک زمانہ میں ہے پشتیبان
۸۔ قصیدہ مرتبہ ۷۰

تہنیت عید الفطر - یہ جناب ذاب سر آسمان جاہ مدار الہام سرکار عالی

مرہ صیام گیا اور روز عید آیا خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجا لایا
کیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا
رہیں منت ساقی میں بادہ خوار تمام کہ تیس روز کے پیاسوں کا روزہ کھلایا
گئے ہیں ایسے مساجد معتکف خوش خوش کہ جیسے طفل ہو مکہ میں چھوٹ کر آیا
شگفتہ آتے ہیں اس طرح عید گاہ ہو لوگ کہ گنج انہوں نے ہے گویا خرابہ میں پایا
حسین چاؤ میں پھولے نہیں ساتے آج کہ دن خدا نے نہائش کائن کو دکھلایا
عزیز دوست گلے ملتے پھرتے ہیں ہام خدا نے سیکڑوں روٹھوں کو آج منوایا
حکیم ہیں متفکر نہ زاہد افسردہ خوشی نے دی ہے زمانہ کی کچھ لپٹ کایا
غنی ہیں شالہ نیست اور گدا ہیں کھال میں ست ہے ایک خان و منعم نے سب کو چھکوا یا
اُدھر ہے فصل بہار اور اُدھر ہے عید الفطر سماں نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا
بکھلے ہیں انکے عوض دشت میں کروڑوں بھول جو غم سے شہر میں آج ایک دل ہے کھلایا
ہزاروں سر و خاں ہیں شہر میں ہر سو جو دشت میں کوئی لپو دا ہے آج مڑھایا

آسمان جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گزار
 یا ان کھیتوں کو دیکھے گیا ہے پانی
 قوم اس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج
 عزت۔ آسودگی اور مذہب و ملت ان کا
 پھر نہ قدر اُنکی کچھ آنکھوں میں خلائق کی بلند
 آسمان جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے
 مدرسے قوم کے اُس ملک میں جو ہیں ممتاز
 ان کی امداد سے نوا بننے کی ہے قائم
 کرتے ہیں زندہ جاوید، بنی نوع کو جو
 ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جس کا
 یہی بخشش ہے یہی جو ہے راس الحنات
 یہی امداد ہے جس سے ہوئیں قومیں مسرور
 یہی قوت ہے کہ ہو ذہن قوی جس سے ضعیف
 دی لگا ایک نے پانی کی سر راہ سبیل
 اُس کی خواہش تھی کہ ہونے میں پیاسیل
 برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
 بخت اس ملک کے جس ملک میں لیا ہو وزیر
 ملک میں اُس کا ثنا خواں ہی ہر اک پیر خواں
 آنکھ اسلام کی خود جن کی طرف ہے نگراں
 ہے وہ عالم پہ ہویا نہیں محتاج بیاں
 ہونہ تعلیم تو ہیں سب کو فتنہ کے مہاں
 اور نہ وزن اٹکا ترانہ میں حکومت کی گراں
 درد کا جان لیا ان کے کہ یہ ہے دریاں
 جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشاں
 چشم عالم میں سیمائی پہ اپنی برہاں
 بدل کرتے ہیں پے تربیت اہل زماں
 ملک پر قوم پر تادیر رہے گا احساں
 جس پہ موقوف ہے یہودی نسل انسان
 یہی تدبیر ہے جس سے جئے ملک آباداں
 یہی حکمت ہے کہ ہوتے ہیں مہک جڑے گراں
 کی ہمیشہ کے لئے ایک نئے ماں ضروریاں
 اُس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشاں
 نہ جاری ہی یذات ان کی سوا فیض رساں
 عامی علم و خیر اے کمال انسان

جس بھائی کے آغوش میں پوشاؤں سے نبھلا
 جس بھائی کے سایہ میں کٹی اس کی جوانی
 شفقت نے دیا جس کی بھلا مرید پر کو
 دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرائی
 جیتا بھی رہا بھائی گراؤں بھائی کے پیچھے
 لذت نہیں جینے سے نصیب اس کو اٹھانی
 دل مردہ ہو حالی کی طرح جس کا عزیز و
 کیا ڈھونڈتے ہو اس کی طبیعت میں روانی
 یہ چپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اٹ۔
 یہ ناؤ ہے ہر طرح ہمیں پار لنگھانی
 بولیں گے بھی سو باہر نہیں گے بھی جہاں میں
 پر آہ۔ کلی وہ جو ہے مرجھا گئی دل کی
 مشکل ہے وہ ہنس بول کے آپس میں کھلانی
 باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر
 بر چن کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہیں فانی

۷۔ قطعہ مرتبہ **فصل** ہجری

بجواب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار للہام سرکار عالی

آسمان جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی ہے عرض
 کہ اگر میرا ہر ایک روٹنگا ہو جلے زباں
 شکر ممکن نہیں اس کا کہ مجھے گھر بیٹھے
 اُس نے ممتاز کیا بیچ کے شاہی فرماں
 نہ ہوئی مجھ سے کوئی خدمت سرکار نظام
 نہ کیا میں نے کبھی طوف در صدر زماں
 نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لائق قدر
 اور نہ ایسا کوئی جو ہر جوہر قیمت میں گراں
 حق نہ تھا دولت عالی پہ کوئی حالی کا
 جس کے جلد میں اس طاعت کا ہوتا شایاں
 ہاں مگر ذات میں ہے فیض رسائی جنگی
 ڈھونڈ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احساں
 ہیں مری ہنر و بے ہنری کے جس طرح
 خار و گل دونوں کو کرتا ہے خالی آپ رواں

دارائے قوم پہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر
 قوم اس سے بدگماں ہے وہ قوم پر فدا ہے
 ہمارے وہ قوم ایسا ہم نے سنا نہ دیکھا
 یہ درخشاں کو جد کی میراث میں ملا ہے
 تعلیم کی تمہاری بنیاد اس نے ڈالی
 ملکوں میں جس کا چچا ہر سمت ہو رہا ہے
 بعد از قرونِ اولیٰ کس نے کیا ستاؤ
 سید نے کام آکر جو قوم میں کیا ہے

۶۔ قطعہ مرتبہ ۳۰۳

مرثیہ حسین برادرِ مرقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

بھل سوگ میں بھائی کے اُسے دیکھ کے پوچھ چپ
 حال سے کہا ہم نے کہ اے بھر معافی
 خاموش کبھی ہم نے تجھے یوں نہیں دیکھا
 کیا ہو گئی وہ تیری طبیعت کی روانی
 شادی میں تری تنہا تیں ہم نے نہ ہی
 ماتم میں بھی دیکھی ہے تری مرثیہ خوانی
 ہنستا ہے نہ روتا ہے نہ بدلتا ہے نہ فوجہ
 کچھ کہہ تو سہی دل میں کیا تو نے ہے ٹھانی
 دنیا سے یہ رکِ دار فنا جس کا اثاثہ
 سب خاک سے تا انجم و افلاک ہے فانی
 ہو جائے گرا نیساں پو نہیں ہر رنج میں غلامش
 کس طرح دلوں کے ہو عیاں راز نہانی
 اک آہ بھری سُن کے یہ حالی نے کہ جس سے
 دل ہل گئے اور سب کے لہو ہو گئے پانی
 فرایا کہ موجوں سے بھنور کے نہیں آگاہ
 حاصل پہ ہیں جوراہ سپر قاضی و دانی
 حالی ہی کو معلوم ہے حالی کی حقیقت
 مشکل ہے کس دل کی عزیزوں کو دکھانی
 آئے ہیں سدا بھائیوں سے بھائی بکھڑو
 موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کو آئی
 پہ بھائی ہو جس شخص کا حالی کا سا بھائی
 غم بھائی کا مرنے کی بے اس کے نشانی
 جس بھائی نے بیٹوں کی طرح بھائی کو پالا
 سو کھی ہوئی کھیتی میں دیا باپ کے پانی

ہے یہ وہ احسان جس کے بار منت سبھی قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے رئے و ریا
 تیرے ظل تربیت میں گر رہا یہ لونا مال ہے یقین پھیلے گی شاخیں اسکا طوبی سے سوا
 فرض اگر کیجیے اُسے دیوار کا رخ آرزو تو وہ پشتیاں ہر جس سے اس کی تائیم ہے بنا
 اور اگر کہیے کہ ہے یہ قوم کی کشتِ اردو تو ہے اس پر بر رحمت کی طرح چھایا ہوا
۵۔ قصیدہ ناتمام مر قمر ۱۲۹۴ھ

سر سید احمد خاں دام بقاؤ ہم کی شان میں

پہنان نہیں ہے یارو سب پر کھلا ہوا ہے جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے
 ہے اب تکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم خود سانپے نہیاں سے کجا بجل گیا ہے
 اس پر بھی ہے عزیز وہے جائے فخر تم کو دینوں میں دین بیضا حق نے تمہیں دیا ہے
 قبلہ ہے وہ تمہارا جو گھر ہے سب سے پہلا ہادی ہے وہ تمہارا جو ختم انبیاء ہے
 دی ہے وہ مصلح کل حق نے کتاب تم کو جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے
 بخشی تمہیں حکومت حکمت تمہیں عطا کی دورانِ سدا موافق تم سے نہیں ہا ہے
 اس دور آخری میں جب یوں بگڑ چلے ام ایک ہاتھی تمہارا مصلح کھڑا کیا ہے
 سر سبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں غنموں سے قوم کے گو کا فر ٹھہر چکا ہے
 وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا یاروں پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے
 لے یہ قصیدہ ہر وقت لکھنا شروع کیا تھا جبکہ مدرسۃ العلوم کا بنیادی پتھر لاؤٹن اپنے ہاتھ سے
 رکھ چکے تھے اور سر سید کے کام تعجب کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے۔ مگر سب مکررات دینیوں کے پورا نہ ہو سکا۔

زمرہ اہل یقین یا جمع اہل سلوک ۴ نکتہ چینی محبلی یا خود گیران شفا
 شاعر شیریں نفس یا شلوخیہ رلے ۵ فیلسوف و مستدل یا عارف علت ربا
 بے بدل ہر الغرض جو روپے اس بلغم میں ۶ بلبل جادو لڑا ہو یا گل رنگین ادا
 بہرہ دہ پس فیض سے تیرے بلا دور دست لے خوشادہ سرزمین جیسر ہو تو فرماں دطا
 بار محصولات سرباں تک ہوئی ہلکی کراب بار منت سے ترے پشت رحمت ہے وقفا
 غیر تیری ہے حصار عافیت تیرے لئے سیر ہو کر تھک دیتے ہیں بہت بھوکے دعا
 نعمتیں حق کی نہ میٹیں گی سمیٹی زینہا ہر بھلائی کی ملی وہ چن کر تجھ کو چوا
 خوان نعمت پر ہے تیرے میہانوں کا ہجوم نامکھ زندہ ہوا خوان غلیل و شد کا
 ہے یقین تجھ پر پڑے اصحاب محشر کی نگاہ جب کہیں کہتے کیا حق میزبانی کا ادا
 دولت اقبال روز افزوں ہے تیرے عیاں جو کہ عامی قوم کے ہیں ان کا حامی ہے خدا
 پرورش پاتی تھی جن کے سایہ دولت میں قوم لے گئی ان کو بہا کر موج سیلاب فنا
 کچھ گھٹنے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر ہند میں اب تکیہ گاہ اُمت خیر اور می
 یہ اگر بنتے نہ کشیتان اس طوفان میں کشتی اسلام بقی منجر عاریں بے ناخدا
 رہ گئی تیری خریداری سے شرم اہل انفس در نہ اکی جنس کا گاہک یہاں کوئی نہ تھا
 بل گئے تھے گہر درج شرافت خاک میں خاک سے لڑنے اٹھایا ان کو اور بخشی جلا
 ہو ہے تھے دو دواں علم و دولت بلبل تو نے ایک ایک کے چلایا خلق میں آپ بقا
 کول میں پودا لکھنے چپے تہذیب قوم آبیاری سے ہے تیری ہی لئے نشوونما

جا لگے تیرے در پہ کشتی عمر جب کروں بحر زندگی سے عبور

جیتے جی دل میں یاد ہو تیری

مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

۴۔ قصیدہ مدحیہ نامتسام

ذاب کلب علی خاں مرحوم رئیس رام پور کی شان میں

قل حق کلب علی خاں جسکے بذل جو پور ہند سے لے تا عوب ہیں خاصی و عامی گواہ

صاحب علم و عمل و نتائج احکام دین زائر قبر نبی اور حاجی بیت الہدیٰ

شاعری میں فرد موسیقی میں فارابی عصر صوت مدرسہ افزا و صورت آئینہ منبع خدا

دولتِ برطانیہ پر اس کی فرزند کی کھنکھ دولتِ عثمانیہ کو اس سے پیوند و لا

اسکی بیست از تے ہیں مقرب اور جلیس اور مروت پر ہیں نازاں مجرم و اہل خطا

مرجع ارباب علم و فن ہے اس کا بانیض قطع یہ وہ دعویٰ ہے کہ خود در باب ہے اس کا گواہ

کل زمیں ہند میں تھے جو درخت بار بار ۲ اُن کو چن چن کر یہاں لایا چمن بند سخا

گر مناظر ہیں تو ہیں سر دفتر اہل کلام ۳ اور محبت میں تو ہیں سر چشمہ علم و ہدے

۱۔ یہ قصیدہ ۱۳۰۰ھ میں اس وقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ ذاب مدد و علی گڑھ کے مدرسہ العلوم کا

پریٹرن ہونا منظور کر چکے تھے اور بارہ سو و ستر سال کی جاگیر ہمیشہ کے لئے مدرسہ کے اخراجات

کیواسطے ادائیگی ہزار روپیہ نقد بطور چندہ کے دے چکے تھے، مگر مصلحتاً اُن کی خدمت میں بھیجا

نہیں گیا اور اسی لئے نامتسام رہا اس کے اقل و آخر کے کچھ اشعار ضائع بھی ہو گئے ہیں ۱۱ +

طبع غالب ہے اور میں غلوب نفس قاہر ہے اور میں مقہور
 بحر غفلت میں ہوں ملے مغرق نشہ کبر میں ہوں بالکل چور
 چھوڑتی ہوں میں خودی دامن ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور
 مہر فرزند و خواہش زرو سیم طمع جاہ فکر عیش و سرور
 ایک بیمار اور سو آزار ایک رنجور اور سونا سوار
 نفس آثارہ اور دیو مرید یہ بچے انفعی تو وہ ہے کلہا عقور
 مجھ سے جو کام چاہیے لیجئے جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور
 حسد و بغض غیبت و بہتان بخل و حرص ہوا دفسق و فجور
 ایک جو مجھ سے بن نہیں آتی ہے وہ خدمت کہ جسے ہوں نامور
 دل لگے بندگی میں کیا امکان لب ہلے ذکر حق میں کیا مذکور
 مایہ عقل ہے نہ شور جنون دل بیتاب ہے نہ جان صبور
 نہ معاصی میں تلخی فحلت نہ عبادت میں چاشنی حضور
 فی اللہ ہے مری مسلمان جیسے زنگی کا نام ہو کا فور
 ہاں مگر کچھ اُمید بندہ جتنی ہے تیرے زمرے میں گر ہوا محسوس
 جب ترے کارواں میں جا پہنچا پھر رہا باب غلہ کتنی دور
 دوری آستان والا سے ہے بہت تنگ حالی مجبور
 اب دعا یہ ہے اے شفیع اُمم بسکہ بیتاب ہے دل رنجور

چھڑ دوں گے فسانہ فریاد
 دل خسرو میں ڈال دوں ناسو
 کرنے جاؤں جو حق سے غارت
 لے کے آؤں نویدِ عفو تصور
 لوں ملائک سے دادِ حسنِ کلام
 گر لکھوں نعتِ سرورِ جمہور
 وہ شہنشاہِ انٹی پس کا
 یاں گنہگار اور واں مغفور
 وہ خداوندِ غمدتی جس کا
 یاں سبکسار اور واں ماجور
 مژدہ اے اُمتِ ضعیفِ کربلا
 سعی ہوتی ہے بے کئے مشکور
 لبِ ثبیریں کلام سے اُس کے
 دوست بھی شاد غیر بھی مسرور
 اٹھ فیضِ عام سے اُس کے
 کعبہ آبادِ میکہ معمور
 چرخ کو دے اگر وہ حکمِ کون
 ہو غلط نسخہ سینینِ بشور
 صرصر تھر تھر چلے اُس کی
 بن ہو مسلکِ صبا و دبور
 جس طرف ہو وہ گرمِ نظارہ
 جلوہ گر ہو ادھر سے لمعہ طور
 ہو جہاں لطف سے وہ سایہ فگن
 موجزن ہو وہاں سے چشمہ نور
 بات پوچھو تو سوئے چرخِ بگاہ
 سینہ دیکھو تو عسلِ گنجور
 ہو سکے اُس کی خوبیوں کا شمار
 نعمتیں حق کی ہوں اگر محصور
 اے ترا پایہ فہم سے برتر
 اے ترا نام - عرشِ پرستور
 میں ترے در پہ من کے آیا ہوں
 نام تیرا شفیع روزِ نشور
 کچھ نہیں زادراہ پاس اپنے
 لکرا میہ عفو زبِ غفور

دل احباب پر نہیں چلتا سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
 ہوں تماشا بے شہر ناہینا ہے برابر مرا خفا و ظہور
 در یکتا ہوں اور ہوں کج ماہ کامل ہوں اور ہوں بے نور
 چشمہ پیدا و کاروان نشہ بادہ پر زور و ابخمن مخمور
 اس زمانے میں وہ غریب تاج ہیں جو وطن سے ہولاکھ منزل دور
 صاحب قدر و جہاں بے ہنگ کا زنا ہے چین میں فقہور
 کاثر اس عہد میں مجھے پاتے تھا سخن جب کہ قباہ جہمور
 کاش وہاں دیکھتے مجھے کجا مستبقی تھا مادیح کا فور
 کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز انوری ہے زعفرانی و شاپور
 کون دیکھے مرے چمن کی بہار مرگیا عنایہ نیشاپور
 جس سے ہوتا دستہ سینہ ہوش ہے زبان میری وہ دم ساطور
 جس سے ہوتا بے کور پروانہ بے مری شمع میں وہ ملتہ نور
 شرح نقطہ کی گر کون تحریر تنگ ہو عرصہ نقوش و سطور
 ترک عشق بتاں کریں عاشق مجھ سے سُن پائش گرتائش جو
 گر کون ذکر لذت طاعات تلخ کردوں مذاق فسق و فجور

۱۔ عنایہ نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ ادا کیا قدر کرتا تھا

۲۔ شیخ علی حدیث نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ مدیون گویا ہند غنیمت ست ۱۱ +

جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر ۱ ہوں زمانہ کے ہاتھ سے بچھڑ
 کبک قمری کو رخصت پر واز ۲ بال و پر مفت صغیر و عصفور
 جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں اس سے شکوہ نہیں کہ ہے موزنہ
 لذتِ مئے سے جو نہ ہوا گاہ اُس کو کیا قدر خوشہ انگور
 جس کے آنکھیں ہوں نہ کیا جانے روز روشن ہے شبِ دیبجر
 پہلے ہو گی کسی کو قدر ہنر اٹھ گیا اب جہان سے دستور
 درِ دل کا بیاں کروں کیس سے بات کھونی نہیں مجھے منظور
 سخنِ حق کی داد لوں کیس سے سُن چکا ہوں فسانہ منصور
 دل آیا دُغت بے ہنراں ہو چکا حسانہ ہنرِ معور
 شدہ خسرو کو وصل شیریں کا ہو چکی سچی کو ہکن مشکور
 ہم نے دیکھی تمیز اہل نظر ہم نے دیکھا مذاق اہل شعور
 ہے عرضِ ان کو صوتِ موزنک نالہٴ دل ہو یا نواسے طیور
 ہو کسی شے سے انکی گمی بزم داستان ہو وہ یا کہ دریں پور
 ہے فقط روشنی سے ان کو کام موم ہو اصل شمع یا کافور
 ہے یہاں قائل انا مردود ہو وہ فرعون وقت یا منصور
 آپ اپنے سخن سے ہوں محفوظ دل اصحاب گو نہ ہو مسرور
 یاں اگر کام ہے تو شیریں سے قصر خسرو کے اور ہیں مزدور

۳۔ قصیدہ نعتیہ

میں بھی ہوں حُسنِ طبع پر مغرور مجھ سے اٹھیں گے اُن کے زعفران
 خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ مجھ سے برتر ہے میری طبع غور
 خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے میرے دل میں بھرا ہوا ہے غور
 نہ گنوا ہلِ عصر میں مجھ کو میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور
 چشمہ آبِ خضر کے مانند چشمِ اہلِ جان سے ہوں ستور
 دل سے داد اپنی لیچکا ہوں بہت مجھ کو پرواہ نہیں کہ ہوں مشہور
 مثلِ یوسف دکھائے جو ہر ذات جس کو بکنا ہو مفت یاں منظور

اس قصیدہ کی تہذیبِ مشعلہ یا مشعلہ کے ہدایات میں سوئے وہ نہ ہے کہ دلی میں، مورخہ کا خاتمہ
 ہو چکا ہے۔ موت۔ ذوق۔ آرزو غائب۔ اور شیعہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدانِ باطل
 غالب ہے۔ اُنہیں توں بیتار ام کے بازار میں ایک مشاعرہ قرار پایا مصرع طبع پر تین خلیں بڑے دعوے کی لکھیں،
 جن لوگوں کی جادو بجا تحسینِ آفرین سے دماغ میں غلغلہ کیا تھا، جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں۔
 وہ کسی وجہ سے، دجودا صرا کے مشاعرہ میں نہ گئے بیسوا اپنے خریدار کی بے اتفاقی سے شاید ایسی
 کسیانی نہیں ہوتی جیسا کہ شامان لوگوں کی بے اتفاقی سے جن کو وہ چہچہ اپنے شعر کا قدر جان
 سمجھتا ہے۔ اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی فخریہ تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر
 لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منہ میاں سمٹو بیٹھتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے خیالات
 کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آبِ کل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے
 اسی طرح شاعری بھی منزلے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعۃً اپنی غلطی
 پر متنبہ ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا۔ تاکہ فخر کے لئے ایک دجہ پیدا ہو جائے ۱۲ +

گوش معنی شنو ہوا بریکار مرغ کیوں نعرہ زن ہے بستا میں
 وہ گیا جس سے بزم روشن تھی شمع جلتی ہے کیوں شبتاں میں
 نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر سرمہ بنتا ہے کیوں صفا ہاں میں
 ماہ کامل میں آگئی ظلمت

آپ جیواں پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائے گا اب کون سکے اپنا بٹھائے گا اب کون
 ہم نے جانی ہے اس قدر سلف اُن پر ایمان لائے گا اب کون
 اُس نے سب کو بھلا دیا دل سے اُس کو دل سے بھلائیگا اب کون
 تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون
 اُس سے ملنے کو یاں ہم آئے تھے جا کے دلی سے آئیگا اب کون
 مر گیا قدر دان فہم سخن شعر ہم کو سنائیگا اب کون
 مر گیا تشنہ مذاق کلام ہم کو گھر سے بلائیگا اب کون
 تھا بساط سخن میں شاطر ایک ہم کو چالیں بتائیگا اب کون
 شعر میں ناتمام ہے حالی غزل اُس کی بنائیگا اب کون

کہہ لے فیہ من بکے وعویل

و عتب مع الزمان طویل



کیا ہے جس میں وہ مرد کاڑھ تھا اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
 شاعری کا کیا حق اُس نے ادا پر کوئی اُس کا حق گزار نہ تھا
 بے صلہ مع و شعر بے تحسین سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
 نذر سائل تھی جان تک لیکن قطعہ درخور ہمت اقتدار نہ تھا
 ملک دولت سے بہرہ ور نہ ہوا قطعہ جان دینے پہ اختیار نہ تھا
 خاکساروں سے خاکساری تھی سر بلندوں سے انکسار نہ تھا
 لب پہ احباب سے بھی تھا نگلا دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا
 بے ریا بی تھی زہد کے بدے زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا
 ایسے پیدائشیں مست خواب بہمنے مانا کہ ہو شیار نہ تھا
 منظر شان حسن فطرت تھا
 معنی لفظ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرق باغ و زماں میں آج بلبل نہیں گستاں میں
 شہر سارا بنا ہے بیت حزن ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں
 ملک یکسر ہوا ہے بے آئیں اک فلاطون نہیں جو یونان میں
 ختم تھی اک زبان پہ شیرینی ڈھونڈتے کیا ہو بد بیاں میں
 حصر معنی اک بیان میں رنگینی کیا دھرا ہے غریق و مرجاں میں
 لب جاودہ بیان ہوا خاموش گوشہ گل واپس کیوں بگڑا میں

تھی ہر ایک بات بیشتر جسکی اُس کی چُپے جگر فگار ہے آج
 دِل میں مَدک تھی غش جسکی وہی بر بھی جگر کے پار ہے آج
 دِل مُضطرب کو کون دے تسکین ماتم یار غمگسار ہے آج
 تلخ غم کمی نہیں جاتی جان شیریں بھی ناگوار ہے آج
 کس کو لاتے ہیں بہر دفن کتبہ ہمہ تن چشم انتظار ہے آج
 غم سے پھرتا نہیں دِل ناشاد
 کس سے خالی ہوا جہان آباد

نق-معنی کا گنجدان نہ رہا خواں مضمون کا میزبان رہا
 ساتھ اس کے گئی بہار سخن اب کچھ اندیشہ خزاں نہ رہا
 ہوا اک ایک کارواں سالار کوئی سالار کارواں نہ رہا
 رونق حُسن تھا بیان اس کا گرم بازار گل رخاں نہ رہا
 عشق کا نام اُس سے روشن تھا قیس فرہاد کا نشان نہ رہا
 ہو چکیں حُسن و عشق کی باتیں گل و بلبل کا ترجمان نہ رہا
 اہل ہند اب کرینگے کچن ناز رشک شیراز و صفہاں نہ رہا
 زندہ کیونکر ہے گا نام ملوک بادشاہوں کا مدح خواں نہ رہا
 کوئی ویسا نظر نہیں آتا وہ زمین اور وہ آسمان نہ رہا
 اُٹھ گیا تھا جو مایہ دار سخن کس کو ٹھہرائیں اب مدار سخن

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسمان سے کیا نسبت

نظم غنچ و دلال کی صورت	نثر حسن و جمال کی صورت
تعزیت اک طال کی صورت	تہنیت اک نشاط کی تصویر
نظر آتی تھی حال کی صورت	قال اس کا وہ آئینہ جس میں
شکل امکان محال کی صورت	اُس کی توجیہ سے پکڑتی تھی
نگ تیراں وصال کی صورت	اس کی تاویل سے بدلتی تھی
سخن اُس کا مال کی صورت	لطف آغاز سے دکھاتا تھا
الوری و کمال کی صورت	چشمِ دوراں سے آج چھپتی ہے
علم و فضل کمال کی صورت	روح امکان سے آج مٹتی ہے
غالب ہمیشہ کی صورت	دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ

کہیں ڈھونڈھے نہ پائیں گے یہ لوگ

اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج	شہر میں جو ہے سو گوار ہے آج
رحلتِ فخر روزگار ہے آج	نازشِ خلق کا محل نہ رہا
رخصتِ موسم بہار ہے آج	تھا زمانے میں ایک رنگین طبع
دوشِ احباب پر سوار ہے آج	بارِ احباب جو اٹھاتا تھا

شیخ اود بزلہ سنج شوخ مزاج نند اور مرجع کلام و ثقات
 لاکھ مضمون اور اسکا ایک مٹھیل سو تکلف اور اُسکی سی بات
 دل میں چھپتا تھا وہ اگر مثل دن کو کتنا تھا دن اور رات کو رات
 ہو گیا نقشِ دل پہ جو لکھا قلم اسکا تھا اور اس کی دوات
 تھیں تو دلی میرا سکی باتیں تھیں لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
 اُس کے مرنے سے گئی دلی خواجہ نوشہ تھا اور شہر رات
 یاں اگر ہزم تھی تو اس کی بزم یاں اگر ذات تھی تو اسکی ذات
 دیکھ روشن داغ کھانا رہا شہر میں اک پلرغ تھا نہ رہا
 دل کو باتیں جب ہو سکی یاد آئیں کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
 کس کو جا رُسنائیں شعر و غزل بس سے داد سخوری پائیں
 مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب کس سے اہلِ حلیں کہہ جھڑپیں
 پست مضمون ہے ذبحِ استاد کس طرح آسمان پہ پہنچائیں
 لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں اہلِ میت جنازہ مٹھرائیں
 لائیکے پھر کہاں سے غالب کو سونے ماہین ابھی نہ لیجائیں
 دین کے گلوں پہ کیوں دیتے چیخ اہلِ انصاف غور فرمائیں
 صاحبِ داسیر و کلیم لوگ جو چاہیں اُن کو مٹھرائیں
 سب کا کلام دیکھا ہی ہے ادب شرطِ مُنہ نہ کھلوائیں

نکرو تشنگی میں تر لب خشک چشمہ خضر کا ہو گر پانی
لوں نہ اک مشت خاک کے بدلے گر ملے حاتم سلیمانی

بھر سہتی بجز سرب نہیں

چشمہ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیائے آشنائی کی اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ پھولے کوئی بحث لے عمر تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ ہاں قسم مجھ کو آشنائی کی
یہ وہ بے مہ ہے کہ ہے۔ اسکی صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظ و صل سے محروم جس کو طاقت نہ ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظ وضع سے یائوس جس کو عادت نہ ہو گدائی کی
خنہ بگل سے بے بقا تر ہے شان ہو جس میں دلربائی کی
جنس کا سر سے نار و اتر ہے خوبیاں ہیں میں ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس آج خاقتانی و سنائی کی

رشک عربی و فخر طالب مرد

اسرا اللہ خاں غالب مرد

بلبل ہن۔ مر گیا یہاں بات جسکی حق بات میں اک بات
نکتہ واں نکتہ سنج نکتہ شناس پاک دل پاک ذات پاک صفات

زمین پھٹیں ہے ماوے شاہِ عمرِ نشین رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لئے
 اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیارِ استعداد محکم ہے حُبِ نبیؐ دل کے امتحان کے لئے
 اگر نصیبِ شرب میں جا کے شربتِ مرگ پیون نہ آپ بقا عمرِ جادو داں کے لئے
 اگر بقیع میں گز بھر زمین میسر آئے کروں طولِ اہلِ روضہ جناں کے لئے
 سمایا اس کا جو نقشِ قلم تصور میں ہجومِ شوق میں لپے کہاں کہاں کے لئے
 حریفِ لذت ہمیر نہیں سخنِ حالی کہاں سے لائے اعجازِ اس بیاں کے لئے

نبیؐ کا نام ہو روڑیاں۔ ہے جیتک

سخنِ زباں کے لئے اور زباں ہاں کیلئے

۲۔ ترکیبِ بند۔ مرتبہ ۸۵۰ شمہِ ہجری

مرثیہ جنابہ مرزا اس۔ اشفاقِ مرحوم دہلوی متخلص بہ غائب

کیا کہوں حالِ دروِ پنهانی وقت کو تاہِ وقصہ طولانی
 عیشِ دنیا سے ہو گیا دلِ سرد دیکھ کر رنگِ عالمِ فانی
 کچھ نہیں جزِ طلسمِ خوابِ خیال گوشہ فقر و بزمِ سلطانی
 ہے سرِ اس فریبِ ہم دگمان تاجِ فقہور و تختِ خاقانی
 بے حقیقت ہے شکلِ معنیِ سراب جامِ جمشیدِ راجِ ریحانی
 لفظِ مہل ہے نطقِ اعرابی حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
 ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی اک تماشا ہے حُسنِ کنعانی

وہ گو نہ گو نہ مدار وہ بات بات میں مہر
 کہ افتخار مقابل میں اہل نخوت کے
 کہیں ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے
 صفائے قلب حسودان کینہ خواہ کیساتھ
 کہیں مقدّمۃ البیض انبیا و رسل
 مدینہ مرجع و ماوائے اہل مکہ ہوا
 اسی شرف کے طلبگار تھے کلیم و مسیح
 بس اب نہ غول کا کھٹکانہ راہزن کا خطر
 شفیع خلق سر اسر خدا کی رحمت ہے
 شفاعت نبوی ہے وہ برق عصیاں سوز
 خدا کی ذات کریم اور نبی کا خلق عظیم
 اسی کا دین ہے کہ ہے گلشن ہمیشہ بہار
 بے ورجہ عصیاں سے کس طرح ہو ۔ اگر
 مریض حرم ہوا پائے کب شفا ۔ جب تک
 نہ حرف و صوت میں دعوت نہ کام دلیں سکت
 ارادہ عرش تک اک آن میں پہنچنے کا
 کرم کا دیکھئے دامن کہاں تلک ہو فراخ
 کشائش گرہ کیں دشمنان کے لئے
 گہ انکسار امارات میہاں کے لئے
 کہیں ناز میں تعجیل ناتواں کے لئے
 وعلئے خیر پاندیش و بیکار کے لئے
 کہیں وہ خاتمۃ الالباب استال کے لئے
 ملکیتِ رتبہ یہ حاصل ہوا مکا کے لئے
 نوید امت پیغمبر زماں کے لئے
 ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لئے
 بشارت امت علمی ناتواں کے لئے
 کہ حکم خس ہے جہان کفر و جہاں کے لئے
 گنہ کریں تو کریں رخصت انجیل کے لئے
 وگر نہ ہر گل گلزار ہے خزاں کے لئے
 وہ ناخدا نہ ہو اس بجز بیکاراں کے لئے
 وہ چارہ گر نہ ہو اس جہانتاں کے لئے
 حقیقت شب معراج کے بیاں کے لئے
 کیا تھا عزم الوال العزم نے کہا کے لئے
 ہو میزبان خدا جب کہ میہاں کے لئے

قصیدہ ترکیبِ مستدرس اور چینِ قطع مختلف مضا پر بہ ترتیب اوقات تحریر

۱۔ قصیدہ نعتیہ

بنے ہیں مدحتِ سلطان دو جہاں کیلئے سخن زبان کیئے اور زبان وہاں کے لئے
وہ شاہ جس کا عروجیتے جی جہنم میں عداوت اُس کی عذاب الیم جاں کے لئے
وہ شاہ جس کا محبوبِ امنِ عافیت میں ملام محبت اُس کی حصا حصیناں کے لئے
وہ چاہا جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم رہا نہ فقر نہ روزِ شب زماں کے لئے
وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغبان مشکور رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کے لئے
ہلالِ مکہ کا ماہِ دو ہفتہ شرب کا فروغِ قوم کے اور شمعِ دہلی کے لئے
گھر اس کا مور و قرآن مہبطِ جبرئیل دُر اُس کا کعبہ مقصود اللہ چاکر کے لئے
پہر گرم طواف اُس کی بارگاہ کے گرد زمین سر بسجود اُس کے آستان کے لئے
وہ لحظہ لحظہ تفق۔ وہ دمب۔ م الطاف رضاے خاطر یارانِ جانفشاں کے لئے

۱۔ یہ قصیدہ ۱۲۱ یا ۱۲۲ ہجری کا لکھا ہے۔ اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں

لکھا گیا۔ اس کو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے۔

کہیں کچھ تعریف نہیں کیا گیا ۱۲ +

رباعیات قدیم

ہو عیب کی خو یا کہ ہنر کی عادت مشکل سے ہستی ہے بشر کی عادت
 چھٹتے ہی چھٹے گا اس کجی میں جانا عادت اوروہ بھی عمر بھر کی عادت
 مرنے پہ وہ روز و شب رہیں گے جب یاد رکھیں گے مجھے تب روئیں گے
 الفت پہ وفا پہ جان نزاری میری آگے نہیں روتے تھے تو اب روئیں گے
 فرقت میں بشر کی بات کیونکہ گذرے ایک غمتہ ہنر کی رات کیونکہ گذرے
 گذری نہ ہو جس بغیر یاں اک ٹھہری یہ چار پہر کی رات کیونکہ گذرے
 یادوں کی مین و رو بہ ماپنا ہے خالی نہ ہو یہ بھی وہ جام اپنا ہے
 اس طرح نہ لکھئے کہ ہے نام اس کا کس طرح نہ لکھئے کہ کام اپنا ہے
 کہ پاس تھا قولِ نبی کہ اللہ اللہ تماشے پہ اعدا سے یہ فراتے محو شاہ
 میں اور اطاعت یزید گمراہ !!! لا حول ولا قوۃ الا باللہ
 حاکمنا غفلت دل شدہ فیجاہ سے مل گمراہ نہ ہو بہر ہستی آگاہ سے مل
 رگِ شتی کے خدائے کب تک ؟ اللہ سے ملنا ہے تو مل شاہ سے مل
 گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا ایک شام میں بیداد کا بانی نکلا
 سمجھا تھا نہ تھا بحرِ غفلت کی یزید دامنِ نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے بس جگہ ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں
 ربط ہالے میں عاشقی کا دم بھرنے

آپس پیری میں شیخ! بھرتے نہیں یوں دل دیتے ہیں پرچے سے گزرتے نہیں یوں
 حقے تم تو ہر اک قسیدہ آزاد سرا جو جیتے ہیں اس طرح وہ مرتے نہیں یوں
 واعظوں کی سخت کلامی

اگر گہر نے پوچھے جو اصول اسلام واعظ نے رشتی سے کیا اس سے کلام
 بولنا کہ حضور مقتدا ہوں جس کے ایسی ملت اور ایسے بزم بکواسلام
 نواب وقار الامرا اقبال الرواہی بہادر کی شان میں

توفیق نے اُس کی چھوڑ دی ہر ای اقبال پہ جس نے فتح یابی چاہی
 حالی لے جائے کون بازی ان سے بے جن کی رگوں میں خون آصف جاہی

۱۔ یہ رمائی سن ۱۳۱۷ھ میں جبکہ رقم حیدر آباد میں مقیم تھا۔ اور نواب وقار الماس
 مہمائی سے پولیس بازی جیت کر آئے تھے کبھی جی۔ مگر ان کی خدمت میں بھی نہیں گئی۔
 خون آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں
 اور اقبال کے لفظ میں دن کے خطاب کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔



تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد سخن مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا
احسان بے منت

احسان کے ہے کرم کی خواہش تم کو تو اس سے یہ بہتر ہے احسان نہ کرو
 کرتے ہو گرا احسان تو کرو اسے عام اتنا کہ وہاں میں کوئی ممنون نہ ہو
قانون پر اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً بے کار حاشا کہ ہوا نہ فظم عالمہ کا رار
 بوجہ ہیں ان کو نہیں حاجت انکی اور بد نہیں بنتے نیک ان سے رہنا
مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

خدا کے اہل یہ کہیں بھڑکے گی مافت سے اور یہ آتش کیس
 گر پائے ہو کہ چپ رہیں اہل خلاف جزد ترک جواب کوئی تاہر نہیں
ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل اب وقت سے اپنے تو نہیں ملتی اصل
 کی عرض یہ ایک سیٹھ نے اٹھ کر کہ حضور ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اصل
انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں نہیں

۱۔ مولوی سلیمان رحیم نازولی یتیم چھوڑ رکھیں یہ تسلیم نے قطعاً اردو اور فارسی کے اہم کے کلام کی
 حاشیہ متعلق صفحہ ۱۲۷
 سائیں میں بوقت بھیجے تھے جیکہ دست گذر شکر اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ان قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی

اسراف

مستف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بویں نعت نہ خدا کی ایگان لوں کھو یں
گز نخل پہ لوگ ان کے منیں بہتر ہے اس سے کہ فضولیوں پہ ان کی رن میں

ردِ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ سواب زیبا نہیں سائل پہ نہ بر و عتاب

بدتر ہے ہزار بارے دون بہت سائل کے سوال سے تراخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت پیسے آئے ہیں ہیں جو دیکھ کے چکھ کے دل کو بھائی نہیں

پہرے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک جو نے کبھی کبھی کھلائے یں ہیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال ہمارا کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال

سرمایہ کر دوہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہونہ زوال

اچھوں کو بُرا سننے میں بھی مزہ آتا ہے

رکتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پردا جو کر کے بھلا خلق سے سُنتے ہیں بُرا

ان گالیوں کا ہے جن کو چسکا حالی آتا نہیں ان کو کچھ دُعاؤں میں مزا

شکریہ نہ کلامِ راقم

جوش خم بادہ جب خمِ خابا میں ہوا پھر ولولہ لیبِ اولِ عالم میں ہوا

ہو جائے گرا ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا
 بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہیئے
 کی طاعت نفس میں بہت عمر بسر انجم کی رکھی نہ جوانی میں خبر
 کیفیت سب اٹھا چکے اب حالی مجلس کو درخواست ہو اوقت سحر
 دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے
 ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھوٹا زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
 جس طرح کہ سونے کی کسوٹی کی حکمت ہے جو ہر انسان کی کسوٹی سونا
 حمد سے زیادہ غنیمت قابل غفوی
 غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے ہیں جب تک کہ ہے وہ عقل و دانش کے قریں
 آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کس سے ہوں آزر دہ کہ تو تو ہی نہیں
 سفہا کی طرح و ذم
 کرتے ہیں سفیہ اگر نیت تیری کر فکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
 پر مدح کہ بہ گرا نصیب اعدا رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری
 رض پیری لا عللج ہے
 اب ضعف کے پنجہ سے بچنا معلوم پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
 کمینہ ہے وہ چیر جس کا پانا ہے خاں آتا ہے وہ وقت جس کا ملنا معلوم

حُسنِ ظنِ اصلِ حال نہیں کھلنے دیتا

مُؤنی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں نیکی میں شک اس کی کوئی لایا ہی نہیں
 ہو سکے رائج میں بھی شاید کچھ کھوٹ پر اس کو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں
 دینداروں کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں
 پاتے ہیں ربون جو حالِ اہلِ اسلام اسلام پہ طعنہ زن ہیں تو اُمّ تمام
 باد پر میزی سے بگڑے اپنی بیماہ اورِ مہمت میں ہو گیا مسیح جلد نام

فکرِ عقیقی

منزل ہے بعید - باندھ لو زادِ سفر موانج بے بھر - رکھو کشتی کی خبر
 گلاب چوکس ہے - لیچلہ مال کھرا بنکا کرد بوجھ ہے کھٹن راہِ ہند
 انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان ممکن ہے - بدی کا نہ ہے میں نشان
 ممکن تو ہے سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے انسان ہے اب تک ہی قرنِ الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند بڑا ہے عشق کا سب کے مال پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً ذال
 سلطان ہے اگر ظلِ آئی - تو عشق ہے ظلِ آئی کے لئے وقتِ ذال
 وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ پر تجھ سے - بگڑنے کا نہیں ہے یارا

مصروف جویوں طیفہ خوانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم ہے ہم کو جتنے پانی میں ہیں آپ
ملی دلوں کا طعن مسلمانوں پر

کتنا تھا کل اک منکر قرآن و خبر کیا لیں گے یہ اہل قبلہ با ہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں دُش کتابھی ہے شیر اپنی مگلی کے اندر
دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری ہو کہا ہو گا نہ شفی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر اس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں میں خدا
دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ سماعت نہ ہو جب کانوں میں دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غیبت میں ہے اجنبی مسافر جس طرح دانا کا بھی یہی حال ہے نادانوں میں
رفارم کی حد

دھوئے کی ہے لے رفارم جا باقی کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دہتا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ دھتا ہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی
اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی الفور داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ وح سن کر ناخوش مقصود یہ ہے کہ ہوتا شیش کچھ اور

متنزل اہل اسلام

ہستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے اسلام کا اگر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدھے ہر جزو کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انسان سے پھر چلیے مانگنی مدد یزداں سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا پائی نہ نجات نور نے طوفاں سے

کام کرنا جان کے ساتھ سے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کیلئے ہستی نہیں زندگی میں بے کام کئے
بیٹے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح مردوں کی طرح بیٹے تو کیا خاک جیتے

جھوٹی نمائش

پس جھوٹ کے سچ میں سب مٹنے والے بننے والوں سے کم ہیں مٹنے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جن صیوں میں نام اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عجیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنرمیوں ذات میں جسکی ہزار بدظن نہ ہو۔ عیب اس میں اگر ہوں وہ چار
طاؤس کے پائے زشت پر کر کے نظر کر حُسن و جمال کا نہ اس کے انکار

سکوت درویش جاہل

۱۵ یعنی جب تک کہ کشتی نہ بناؤ ۱۲

مٹی باغ کی یادگار اک بلبل زار سوائس کی بھی کل سے نہیں آتی آواز
ایضاً

غالب ہے نہ شیفہ نہ قیر باقی وحشت ہے نہ سالک نہ نور باقی
حالی اب اسی کو بزم یاراں بھجو یاروں کے جو کچھ داغ میں دلیر باقی
محنت

محنت ہی کبھی پل پر ہاں ہر ایک امن میں محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰ کو ملی نہ قوم کی چوپانی جب تک نہ چرائیں بکریاں بدین میں
گدائی کی ترغیب

اک مرد تو انا کو جو سائل پایا کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا ان کی گردن پڑاں دے دے کے جنہوں نے مانگنا سکھلایا
تکفیر اہل اسلام

کنا نقما کا مومنوں کو بے دین سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہو گا یہ مرقدیں حال تکفیر بھی کی نقما نے کہ نہیں
ترک عاشقانہ کوئی

کچھ قوم کی ہم سے سو گاری سن لو کچھ چشم جان میں اپنی خواری سن لو
افسانہ قیس و کوہکن یاد نہیں چاہو تو کتنا ہم سے ہماری سن لو

لے یہ سن شعرے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ دائمہ ربط و اختصاں رہا ہے عام اس سکہ کا
ناموہوں۔ یاں نہ ہوں ۱۴ (حالی)

عقوباً وجود قدرت ایتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے باغداد مقبول تر کون ہے بندوں میں
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ

سخنی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے تسکین زہر لگے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیر دیوار دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر میرا م لے کے پہنچا تو کہا مشکل نہیں کوئی پیش ہمت ڈھونڈ

کرم ہمتی

جبریزہ و قدیریہ کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پیار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پیشانی

انجام ہے کفر کی طغیانی کا ٹرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے نداستوں کی جانا ہم نے دونوں بھی ہے اک نام پیشانی کا
تاسف بروفات نوابیہ الدین احمد خان مرحوم فیروز خان دہلوی
قمری ہے نہ طاؤس نہ کبک طائر آئے ہی خزاں کے کر گئے سب پر خار

دیکھا ہے سدا سلامتی میں تیری قوموں کو ذلیل۔ خاندانوں کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم بھوکہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیئے دین نے اسرار و حکم دنیا کو دین کی تھانی جس دم
گردین کی نمون بہت ہے دنیا دنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم
آزادگان راست باز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب گناہ کا فرما داعظم نے انہیں اور گمراہ
بھوٹے کو نہیں ملتی شہادتِ حقیقت لا آتے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

بے پروائی بے غیرتی

اسباب پہ گر نفم جہاں کا ہے مدار اُس قوم کا چیتلے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار

ملہ یعنی کھوٹا ملائی ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً **مَلِہُ** یعنی کھوٹا ملائی ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً
فے صدیق کہاؤ اور بعضوں نے زندقہ اور بات کو وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندقہ خدا کے سوا اور کوئی
نہیں جانتا جس شخص میں کوئی صریح اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہ ہو اس کی تکفیر یا تہذیب کرنی
ایسی بات ہے جیسے کسی بھولے آدمی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنی دعویٰ پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲ ۴

توقع بیجا

ہیں یا ر رفیق - پر مصیبت میں نہیں ساقی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں
اُس بات کی انسان سے توقع ہو عبث جو فوج بشر کی خود جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر کئی اور بیشیا اتنی ہی مغائرت ہیماں اور خویشی
وہ دوست نہیں جیسے کیا فکر مال ضدیں ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سا ہوتا ہے ہر قدم پہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہو نہیں کتا ہوں کہ اب کیسے کیا ہوتا ہے

ایضاً

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا سلطان کو گداغنی کو محتاج کیا
دیران کیا تو نے نینوا اور بابل بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

معلق ہے ہرک بزم کی اب غیبت میں بدگوئی غلق ہے ہر ایک صحبت میں
اور دل کی بڑائی ہی پہنے فخر و اں خبی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ پیردں کو خوف اور جوانوں کو تباہ

عاری ہیں لباس تربیت سے ورنہ پس طوی و رازی انہیں ملکوں میں نہاں

علم
اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غامبے تو جہان سے وہاں آیا زوال
اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال
ایضاً

اے علم کلید گنج شادی تو ہے سرچشمہ نعمادایا دی تو ہے
آسایش دو جہاں ہمسایہ میں تھے دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے
ایضاً

ہے تجھ سے نہال جیسی مغرب کی زیں مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہِ نخب کی طرح رہتی ہیں شعاعیں تری محدود ہیں
خاندانی عورت

بیٹا بھلے جب تلک ذلت سے عورت نہیں اسکو باپ کی عزت سے
سوچتو رکھات کا نسب بھی عالی پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے
عورت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ کو عزت ہی جہان فرمایا ہنر نے میں میں عزت کا نشان
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیان میں بھیجید ہوں حق کا جہر و نیکی میں نہان

آثار زوال

آبا کو زمین و ملک پر اطمینان اولاد کو سستی و قناعت کا گمان
بچے آفارہ اور بے کار جان ہیں ایسے گھولنے کوئی دین گمان

شان اجار

صحرا میں جو پایا ایک چیل میں ان برسات میں سبزہ کا نہ تھا جہے نشان
باہوس تھے جس کے جو تھے سودھقا یاد آئی ہیں قوم کے ادب اس کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفرین کے لائق ہونا شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا
مکمل نہیں جب تک کہ ہوں دل میں نفاق آسان نہیں مقبول خلائی ہونا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ ہو دشمن اخوان پکٹا ہوتا نہیں مومن کا ابلیہ پکٹا
ہم قوم کی غیر مانگتے ہیں حق سے سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکٹا

مکرو ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھٹیلوں سے واجب ہر حذر بھٹیلوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان

عابد نے کہا: ہاتھ اٹھا کر سٹے چرخہ محتاج کو اس کو جلد اسے بار خدا

کام کی جلدی

یاں رہنے کی ہمت کوئی کب پاتا ہے آتا ہے اگر آج۔ تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام ان کو جلدی بھگتاؤ طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جلی یہ مرض ہر سچی پہ ہوتا ہے طلبگار عووض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے دیکھا تو نہاں ان میں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر اُچھلتے ہیں گڑا گڑ کے علم لاکھوں اکھر جلتے ہیں
آج اس کی ہے نوبت تو کل اس کی باری بن بن کے یو نہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں
تقاضائے سن

حالی کو جو کل فسردہ خاطر پایا پوچھا باعث تو ہنس کے یہ فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید وہ وقت گئے اب اور موسم آیا
جس کو زندگی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا
نمیائے دنی کو نقش قاتی بھو روداد جہاں کو ایک کسان بھو
پر جب کہ و آغاز کوئی کام بڑا ہر سانس کو عمر حساب و دانی بھو

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زبان سے کہتے ہیں وہ کم ہوتے نہیں ساتھ جمع - دم اور دم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

نقطہ قبول

ممکن ہے کہ جو ہر کی نہ ہو قدر کمیں پر قدر کمیں بغیر جو ہر کے نہیں
غیر کو نہ لیں مفت یہ امر کاں ہے مگر غنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگیں
طالب کو سوچ سمجھ کر یہ بنانا چاہیے

ہوں یا نہ ہوں پیر ال عرفان یقین پر ڈرتے کہ طالب نہ ہونا داں کمیں
گا ہاک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی نیچے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

میں جل میں سب عالم و جاہل مہر آتا نہیں فرق اس کے سوا ان میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جل کی کچھ اپنے خبر
موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجسام ترقی بشر یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنر کہ
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیگے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

مصرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک منعم مصرف نے یہ عابد سے کہا کر یہ لئے حق سے فراغت کی دُعا

کی عرض کسی نے کیئے اب کیا ہے صلاح فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جہان

عشق

ہے عشق طیبِ دل کے بیماروں کا یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے یہ اتنی ہے خبر اک شغلہ دلچپ ہے یہ کاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائو باسے فرزند اک آدمہ ادا ان کی اگر ہونہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں ہوں اس میں اگر گلے مٹے نانہ چند

دوستوں سے سچا توقع

تازیت وہ جو نقشِ مہموم رہے جو طالبِ دوستانِ معصوم ہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتوں سے محروم ہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو مفتون گردن پہ نہ لوعقل خدا داد کا خون
خود عہدِ شبابِ اک جنون ہے اب تم کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنون

غروبِ عیلول سے بدتر ہے

مکن نہیں یہ کہ ہو بشرِ عیبِ دور پر عیبِ بچے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو گھٹنے سے کہیں اُنکے نہ بڑھ جائے غور



نعت

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف شرب کو بلا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو غر نہیں کچھ تجھ پر آبا کو بھی ہے تیری ابوت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں شر سے بچیں مادہ شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

سرک شعر عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوٹی بزم شعرا میں شعر خوانی چھوٹی
جبکہ دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

سیران زندہ دل

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرزوں کی طرح ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل انکے ہیں غلط انکے جگر نہیں تیر بنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت ہوں نیکیوں پر اپنے نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود ایک بدی ہے گریہ غلوں نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کستا تھا جان ہے دین پر قربان پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان

مکن ہے کہ کسم میں مجبُول جائیں ^{طفال} لیکن انہیں دُکھیں ماں ہی یاد آتی ہے
توحید

مٹی سے ہوا سے۔ آتش و آب کے یاں کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
 پڑ تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک گنجیہ مغیب میں اُسی طرح نماں
ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ بوسجے لئے طاعت میں ہے تیری آبر و سجے لئے
 ہیں تیرے سوا مارے سہاے کمزور سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے
ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے نیا دُنیا میں نہیں ہے ایک ل جو کہ ہوشاد
 پڑ۔ جو کہ ہیں تجھ سے لونگٹے بیٹھے بہتے ہیں ہر ایک بے غم سے آزاد
نعت

نہاد کو تو نے محجوب کیا عشاق کو مست لذت دید کیا
 طاعت میں بہانہ حق کے ساجھی کوئی توحید کو تو نے آکے توحید کیا
ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا اور اُمیوں کو خیر اُم تو نے کیا
 اسلام نے ایک کر دیا روم و تبتار پھڑپھڑے ہوئے گلہ کو بہم تو نے کیا

لہ یعنی بابتک جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ مقابلہ اس کے جو خزانہ مغیب میں مخفی ہے کان لم یبہ ۱۴

رباعیات

توحید

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اُنکا تیرا حلقہ ہے ہر اک گوش میں اُنکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجکو۔ جانا ہے ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکاتیرا

ایضاً

ہنرو نے صنم میں صنوا پایا تیرا آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دھڑے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں ہے جب جہاز چکر کھاتا جب قافلہ دادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا واں تیرے سیا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدر کچھ ظہور منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو ضرور
خفاش کو ظلمت کی نہ سو بھی کوئی راہ خورشید کا شش جہت میں پھیلا جوتے

ایضاً

جب یا بوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا چواتی ہے

عشق کو کتاب انتظار نہ تھی غمِ اکِ دل میں داکیا تو نے
 حرم آباد اور دیرِ خراب جو کیا سب بجا کیا تو نے
 سخت افسردہ طبعِ متوجہ باب ہم کو جادو نو کیا تو نے
 پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے
 حالی اُمٹا ہلاکے محفل کو
 آخر اپنا کس کیا تو نے



دل کو دردِ عاشقِ ناکیا تو نے ق دردِ دل کو دوا کیا تو نے
 طبعِ انسان کو دی مرثت و فنا خاک کو کیمیا کیا تو نے
 وصلِ جہانِاں محال ٹھہرایا قتلِ عاشقِ رعا کیا تو نے
 تھکانہ جز غم بساطِ عاشق میں غم کو راحت فرمایا تو نے
 جانِ مہی اکِ وہاںِ فرقت میں شوق کو جاگملا کیا تو نے
 مہیِ محبت میں ننگِ منتِ غیر جذبِ دل کو راسا کیا تو نے
 راہِ زاہد کو جب کیس نہ ملی قطعہ درمیخانہ داکیا تو نے
 قطع ہوتے ہی جب لگا پیوند ۲ غیر کو آشنا کیا تو نے
 مہیِ جہاں کارواں کو دینی راہ عشق کو رہنما کیا تو نے
 ناؤ بھر کر جہاں ڈبوئی مہی عقل کو ناخدا کیا تو نے
 بڑھ گئی جب پلڑ کو مہرِ پسر اُس کو اُس سے جدا کیا تو نے
 جب ہوا ملک مال بہزنِ ہوش بادشہ کو گدا کیا تو نے
 جب بلی کامِ جان کو لذتِ درد درد کو بے دوا کیا تو نے
 جب دیارِ اہرود کو ذوقِ طلب سعی کو نارسا کیا تو نے
 پردہ چشم تھے عجب بہت حُسن کو خود نما کیا تو نے

۱۔ میں شعر میں پندرہ پسر کا اشارہ حضرت یعقوب دینوسف علیہم السلام کی طرف اور

اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ میں ۱۲ +

کر دیا خوگر جفا تو نے خوب ڈالی تھی اب تہا تو نے
 دُور پہونچی تھی اپنی آزادی پر خدا جلے کیا کیا تو نے
 کیوں نہ آئیں گے یاں وہ ہے ہدم بس سنا میں نے اور کہا تو نے
 گوش و لب تھ لائے تھے ہم آج نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
 صبر کا ہے بہت بڑا انجام ہم کو بھلا ہے دل میں کیا تو نے
 ابتداء و فاءے سر دینا میری دیکھی نہ انتہا تو نے
 دل سے قاصد بنا کے وعدہ و صل اور کھویا رہا سہا تو نے
 ایک عالم کو خوش کیا ہے شک ہم کو کس سے خفا کیا تو نے
 جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
 حالی اپنا کہا سنا تو نے

کر کے بیمار دی دعا تو نے جان سے پہلے دل لیا تو نے
 رہبر و تشنہ لب نہ گھبراننا اب لیا چشمہ بفتا تو نے
 شیخ جب دل ہی دہر میں لگا تے سے کیا لیا تو نے
 دور ہوا سے دل مآل اندیش کھو دیا عسہ کا مزا تو نے
 ایک بیگانہ وار کر کے بگا کیا کیا چشم آشنا تو نے
 دل دین کھو کے آئے تھے میر یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے
 خوش ہے المیہ غلہ پر حالی کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

دھندلے ہمتی اپنی پارسائی کی کی بھی اور کس سے آشنائی کی
 کیوں بڑھ جاتے ہو اختلاط بہت ہم کو طاقت نہیں جدائی کی
 منہ کرنا تک چھپاؤ گے ہم سے تم یہ بات ہے خود نمائی کی
 لاک میں ہیں انکاؤ کی بانیں سب میں چھپے لٹائی کی
 بے خیروں سے ہو ملو بیکن ہم سے باتیں کرو صفائی کی
 دل رہا پائے بندہ افستروم ہتی غبت آرزو رہائی کی
 دس پلو میں ہو تو کیا کس سے رکھے ہمسید دل رہائی کی
 شہر و دریا سے بارغ و مہلے یہ نہیں آتی آشنائی کی
 نہ ملا کوئی غارتہ ایمان رہ گئی شہم پارسائی کی
 بخت بمبادستان شیدا تو نے آخر کو پارسائی کی
 صحبت گاہ گاہی رہی تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
 موت کی طرح جس سے نہ تھے ساعت آپہنچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی

انتہا ہے یہ بے حیائی کی

۱۲۶ غزل بھی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی۔ جبکہ غزل بلال لکھی گئی تھی تو کئی شاعرین اس امر کا رد کیا ہے

۱۲۷ شیدا سے مراد منشی کرم اللہ خان صاحب بلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی حکمران کے تھوڑے شیدا تھیں کہ تو

۱۲۸ شیدا کی آئینہ لب محفل خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲۷

نہیں آئی کہیں یاں بوسے یوسفؑ
 یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام
 کہ بیل ناشنا سارے چمن ہے
 نہ کچھ شیریں کو درد کو کہن ہے
 مجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور
 مری خلوت میں ہے ہنگامہ بزم
 بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول
 بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو
 مگر یاد عزیزاں رہا ہر آن ہے
 یہی گر جذبہ مسر وطن ہے
 گرین نظروں سے سب باتیں پُرانی
 بھلا حالی اور الفت سے ہو غالی
 مگر افسوس کہ اک دم کہن ہے
 یہ سب تم صابوں کا من ظن ہے

کیا ہے اُس نے کہتے ہیں سخن ترک

مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

اسے یہ غزل تقریباً عشاء میں اس وقت لکھی گئی تھی۔ جبکہ اقل ہی وقت بقرب ملازمت دلی چھڑا کر
 لاکھ جانا پڑا تھا اسوقت اقل تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا دوسرے لاہور میں کسی سے
 جان پہچان نہ تھی جہاں پہنچنے ہی نہایت سخت دیا آئی آمد واپس یہی صنف کے بعد مدد لکھی چکی تھی بخیر کار
 دھرمہ۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا اس تھلاں آمد واپس کی دُعا و اندوہ کی حالت میں یہ شاعر لکھ کر گئے تھے ۱۱

پہلے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے آخر کو ہم حوالہ نقب یہ کر چکے
 اضمحلت شہد سال کے دال کا لڑ نہیں نالے شب فراق کے تاثیر کر چکے
 اسے دل اب آزمائش تقدیر کا ہے وقت وہ امتحان برزخ غم شیر کر چکے
 کہتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہم شکوہ ہاے غیر بھی تحریر کر چکے
 بھولے ہے تصویر مرگان میں چند روز دیکھا تو دل کو ہم ہر فن تیر کر چکے
 جان لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار مشاطہ جلد ترکیں تقریر کر چکے
 دل لیکے ایک یرایہ فلخ مجھے ہیں وہ گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے

حالی ! اب اور پیر دی خضری کریں
 بس اقتدا سے مصحفی و میر کر چکے

نہ واں پرش نہ یاں تاب سخن ہے محبت ہے کہ دل میں موج زن ہے
 بہت لگتا ہے دل صحبت میں اس کی وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے
 بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے
 عدو سے بات محفل میں نہ کرنی جو پوچھو تو جائے سودن ہے
 بہت دل میں تھے عاشق کو درکار تری جو بات ہے وہ دل شکن ہے
 دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد میں نہیں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے
 کروں تجھ سے بیان کچھ مد غربت مگر جو شبن سخن بہر دہن ہے
 رہے لاہور میں آکر سو جانے پہاڑی دنیا ہے جو دارالمن ہے

قلق گریہی ہے تو راز نہانی کوئی دن میرا رسوا ہوا چاہتا ہے
 وفاق طر الفتن ہو لیکن کسانک دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے
 بہت غنا ملتا ہے دل تجھ کو بلکہ قلق دیکھنے کیا ہوا چاہتا ہے
 غم و رشک کہ تلخ کھجے تھے ہمدم سو وہ بھی گیارا ہوا چاہتا ہے
 بہت ہیں سے دن گندہ تیرے حالی

کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

جس کو غصے میں لگا دے کی ادا یاد ہے آتے دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے
 شوق بڑھتا ہے جہاں عین شوق و غم یہ سبق وہ ہے کہ بھولے ہو سو یاد رہے
 ہم بھی آواہ شمر بہت سے تھے آگاہ مگر نہ ہو تراؤں میں جو رسم وہ کیا یاد رہے
 یاد آؤ گے بہت لطف سمجھا کہیں اس بھائی کلبے انجام پڑا یاد رہے
 شہنشاہ شہر گم گئے شوق بھلا دیتا ہے توبہ ان کی ہے جنہیں اپنی خطا یاد رہے
 وادی عشق میں موسیٰ کو ہو کر رخصت دید یا فتنہ کٹوائیں جو پھر کفش عصا یاد رہے
 خطر نے پاؤں اگر دشت فنا میں رکھا بھول جائیں گے رہو آب بقا یاد رہے
 دل بستی طرح لگا عشق بتائیں لے شیخ دین پڑ پائیں اگر کبے خدا یاد رہے
 پیار مگر اکار باندازہ تدبیر نہیں کیجیو محبت اگر وقت دعا یاد رہے

ابھی جاتا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ

حضرت اس لطف کا پائیں گے مزا یاد رہے

حشر تک یاں پھر شکایا چاہیئے کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے
 ہے تجلی بھی نقاب رو سے یار اُس کو کین آنکھوں سے دیکھا چاہیئے
 غیر ممکن ہے نہ ہوتا شیر غم حال دل پھر اس کو لکھا چاہیئے
 ہے دل افکاروں کی لڑائی غم گر نہیں الفت مارا چاہیئے
 ہے کچھ اک باقی خلش امید کی یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیئے
 دوستوں کی بھی نہ ہو پرواہ جسے بے نیازی اُس کی دیکھا چاہیئے
 بھاگئے ہیں آپ کے انداز و ناز کیجئے اغماض جتن چاہیئے
 شیخ ہے اُن کی نگہ جادو بھری صحبت زنداں سے پھنسا چاہیئے
 نگ گئی چپ حالی رنجور کو
 حال اُس کا کس سے پچھا چاہیئے

جنوں کا رفا ہوا چاہتا ہے قدم دست پہیہ ہوا چاہتا ہے
 درم گریہ کس کا تصور دل میں کہ اشک اشک یا ہوا چاہتا ہے
 خط آنے لگے شکوہ آمیز اُن کے ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے
 بہت کام لینے تھے جس دل کی کو وہ صرف تمنا ہوا چاہتا ہے
 ابھی لینے پائے نینم جہاں میں اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
 مجھے کل کے وعدے پکڑے ہیں نصرت کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
 فزوں مہر کچھ بن و نون ہو چھیا درِ رحمت اب ہوا چاہتا ہے

یا کھینچ لائے دیر سے رندوں کو اہل وعظ
وصل مدام سے بھی ہماری کھنچی نہ پیاس
تم مدھی کے گھر گئے اور یہاں رہے
کشی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے
حالی کے بعد کوئی نہ ہم سرد و پھر ملا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے غماں ہے

حق دفا کے جو ہم جتانے لگے
آپ کچھ کہہ کے مسکرائے لگے
تھایاں دل میں طعن وصل عدو
عذر ان کی زباں پہ آنے لگے
ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں
وہ اگر محنت آزمائے لگے
ٹپے میری زباں نہ کھل جائے
اب وہ باتیں بہت بنانے لگے
جان بچتی نظر نہیں آتی
غیر لغت بہت جتانے لگے
تم کو کرنا پڑے گا عذر جفا
ہم اگر دردِ دل سننے لگے
سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم
ہم بھی آخر کو چڑانے لگے
جی میں ہے یوں سنگا پیر غماں
تقلے پھر حرم کو جانے لگے
نرباطن کو فاش کر یا رب
اہل ظاہر بہت ستانے لگے

وقت رخصت تھا سخت حالی پر

ہم بھی بیٹھے تھے جوت جمانے لگے

تھانہ محتاج سبب عفو کریم نچوڑا ہم آئی بستیہانی مری
 خلد میں بھی گر رہی یہ اسکی لطف کہ نہ ہو شاید پریشانی مری
 ہے لبز تبسم تک مجھ پر گراں دھند جا پہنچا ہے غریبانی مری
 مانع گلشن ہے یہ خراں سو تکرتی ہے نہمبانی مری
 قدر نعمت ہے بقدر انتظار حسرت پر پھرمی ہے مومانی مری
 نندہ زن ہے اس سلطان پر کفر

جیسی ہے حالی سہمانی مری

پر نہ ہر سیک بصل پر بھی وہ میاں ہے کدوے وہ سنبھلا کئے اور صبران ہے
 کیا کیا ہیں دل میں دیکھتے ان بھجے ہوئے ہم میزبان نہیں جو کوئی میاں رہے
 حوا میں ہاتھ سے نہ دیا شہہ امید اب تک تو ہم جہان میں بہت شادان رہے
 پوچھی گئی نہ بات کہیں پارسا وضع کی استغری ہم تب تک پہنچے بھنگو گراں رہے
 دیر و حرم کو تیرے فساؤں سے بھر دیا اپنے رقیب آپ ہے ہم جہاں رہے
 داراؤں ہم کو تیرے گداؤں پر شکست بیخ متل عشق الکی گراں رہے

حالی سے بل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت

نکلتے سے دلہے وہ اب اسیں کہاں ہے

کل مدعی کو آپ یہ کیا کیا گمان رہے بات اسکی کاٹتے رہے اور ہمزباں ہے
 یا لڑن تیز گام نے محل کو جالیا ہم مونا لہو جس کا رواں رہے

دوست کے تیور میں ہم برنگ ہیں ہی جانتے بے تکلف بیٹے ہم سے یا تمہیں کیجیے
 جب کہ عقلی مائیں بنیے پھر سہل الوصول شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی نصرت کیجیے
 وقت تو ایسا کام کا حالی نگہ و ابھیٹے اے چاہئے اب عمر بھر بیٹھے تارن کیجیے

تو بہ حسنہ سن کیو نہیں ان دودھ کو کا سہی اہل

ہم دکھائیے ذرا دم بھر تو وقت کیجیے

فکر فرما لی رکھنے بڑا کئی نادست کیسی جان کو ہم نے لگا دی ہے یہ نڈب کیسی
 زب خزاں ہوئی آندہ تو رہا نیم خزاں جن کی قسمت میں ہو کلفہ اندیشہ کیسی
 بی بی کہ لکھتے کو سمجھتے تھے ہم اک بھلاوا وہ تو آفت خقی ہمارے بنے لطف کیسی
 بیٹہ بی رخصتہ فرہادت کی توقع ناواں قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی
 تیرے زانی۔۔۔ نہیں نسو کی دم چہر فانی جن کو کچھ کام ہیں داں اندیشہ فرست کیسی
 جو ملکیت سے ہیں آگاہ تیری اس دنیا وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
 جاسا بیہ بی۔۔۔ دوسرے بے گنتی جس کے ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہے حالت کیسی
 ہم نے انہیں سے کچھ بھی سمجھا کہ تارنگ ہم سے پوچھے کوئی نہوتی ہے محنت کیسی
 جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے مارح دی جی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام

یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سچی سے بہتر تن آسانی مری کفر سے بدتر مسلمان مری

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے جس قدر کہ فی ملامت اور کو آسان ہے
 سامنا ہے موت کا ہونا محنت سے دوچار آئے اس میدان میں زباں اگر کچھ جان ہے
 دیکھ اے بے لیل ذرا گلاب کو آنکھیں کھول کر پھول میں لگاؤں کہ کانٹے میں بھی نشان ہے
 عقل پھیل پر نہ سمٹی حرص و آرزو انسان کی لے ناب نام آدمیت کا اگر انسان ہے
 چریونٹوں میں اتحاد اور کھیسوں میں اتفاق آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
 تجھ میں جوت ای شمع کی برق عالم سوز کی جان بے تجھ پر دانہ جو یون قرآن ہے
 دل میں حالی کے بے باقی نہ بس ارمان کچھ

جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایمان باقی رہ گیا کیلئے بے بس ہے وہ پہاں باقی
 بزم و دعوت میں سالی ہوئی اپنی اس وقت میزبان جب نہ رہا کوئی نہ مہمان باقی
 حق ادا اک نگہ لطف کا ہو گا کیونکر دل و دین لے چکے وہ ہو بھی مہمان باقی
 ظاہر اور وہی الفت کا نہیں چارہ پذیر درد چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درمان باقی

تو شہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق

ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ دنیا پہ اب تف کیجئے نفس کہتا ہے ابھی چن مے تو تف کیجئے
 وہ اس سالی ہے صبا کی آمد نہ قاصد کو پیار اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے
 ضبط کیجئے مدد دل تو ضبط کی طاقت نہیں اور کھلا جا تا ہے راز دل اگر ان کیجئے

غما ہوں سچے پنچنکی صمدت نید جب عبادت میں کیوں جان ناحق کمپائی
 رُکھا ہاتھ جب بن گئے پامسا تم نہیں پارسائی یہ ہے ناصائی
 بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے سوا اس کے منعم میں کیا ہی بڑائی
 جو کیئے تو جھوٹی جو سیئے تو پستی غوثا مد بھی ہم نے عجب چیز پائی
 ہوئی تمکے پیری میں قدر جوانی سمجھ ہم کو آئی یہ نا وقت آئی
 دہی جو کر کر رہے رانی کو پریت وہ پریت کو بھی کر دکھاتا ہی رانی
 جولی میں عاشق متحاب ہم میں ناصح جو داں دلہن کی تھی تو یاں منھ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو محالی
 نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اب بھی دل زار تمنائی ہے ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
 قطع اُسی نے دل کر دیئے یکسو صد شکر شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے
 قوت دست خدائی ہے شکیبائی میں وقت جب آکے پڑا ہے ہی کام آئی ہے
 ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سوا پناؤد ہے ہمنے جب کھائی ہو اپنے ہی سے زکائی ہے
 نشہ میں چو نہ ہوں جھانچے میں مخمور ہوں پند یہ پیر غریبات نے فرمائی ہے
 نظر آئی نہیں اب دل میں تمنا کوئی بعد مدت کے تمنا مری برائی ہے

بات سچی کہی اللہ اُٹھ لیاں اُنھیں سب کی
 جگہ میں حالی کوئی رسوائی می و دلی ہے

مدائن کو شش و تہیر کے سب سے چکے حالی
لطیفہ رہا لیکن دیکھنا ایک غیب کا بانی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آسانی بھی
ہستناور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تیز
آنکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک مندی
جو چھپانے پر حق اندیشہ رسوائی سے
دوست اگر جلائی نہ ہو دوست کو بھی لیکن
اے غم و دست تجھی پر نہیں اپنی گذران
دل غمی رکھتے ہیں اے دولت دنیا و لوگ
عقل ہے۔ اپنی حماقت کا چھپانے کی انہیں
عقل اور حسن پہ جن کے ہمیں صلیح گواہ
ٹپنے دے گی نہ اہل تم سے ہمیں جی بھر کر
فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم۔ پر رہے مردوں سے بے وقالی
دیکھ لی ہم نے طیبوں کی میحائی بھی

مرائیل کے زہد کا نہد ریائی
بڑائی ہے نمد میں بھی شیخ لیکن
چٹائی بہت بات پرین نہ آئی
کماں یہ بڑائی کماں وہ بڑائی

۱۱۷ یعنی غم خیزانہ من و فرزند و غیرہ ۱۱۷ لے اپنے مایم اللہ عز و جل کے لئے کہ طرٹ اشارہ ہے ۱۱۷

اُڑے گی خاک تقدس کی اب سہرازار فقیر شیخ میں جوتی اُپھلتی جاتی ہے

دخون محض سے جب عقائد ایک کچھ حالی

کچھ اک جھجک محض سودا بھی بھگتی جاتی ہے

بڑی اقد بھلی سب گزر جائے گی یہ کشتی یونہی پار اتر جائے گی

ملے گا نہ گلچیں کو محل کا پستا ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ طلع یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی

ادھر ایک ہم اقد زمانہ ادھر یہ بازی تو سو بسوے ہر جائے گی

بناوٹ کی دشمنی نہیں رہتی شیخ! یہ عزت تو جا بیکلی پر جائے گی

نہ پوری ہوئی ہیں اُمیدیں یہیں یونہی عمر ساری گند جائے گی

نہیں گے نہ حالی کی کب تک صدا

یہ ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی افسر است اخلاقی کر ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی

نہیں خالی جنوسے وحشیوں کی بوٹ بھی لیکن حندش بوٹ یو جو بوٹ ہے علی و اخلاقی

نہیں چھوٹے نہ برگ بار چھوٹے تو نے گلشن میں پچھپھپی ہو یا لٹس ہو گلچیں یا ہے قرأتی

کمال کفش دوزی علم افلاطون سے بہتر ہے یہ وہ نمکت ہے سمجھے جس کو مشائی نہ شراتی

مہی دانائی آخر غالب آکر پسٹوانی پر گئے چین مان سب چینی و فرغانی و قباقراتی

ہمارے طرف ہی انعام کے قابل نہیں نہ نہ لند حالے غم پر غم غرق کیوں مسکند ارماتی

فیصلہ گردش دوران نے کیا ہے سو بار
مرد کس کا ہے بدخشان و حق کس کا ہے
دم سے یو سنکے جو بابا دتھا یعقوب کا گھر
چرخ گستا تھا کہ پیرمیت حزن کس کا ہے
مطلین اس سے مسلمان نہ سچی نہ یہود
دوست کیا جلیں یہ چرخ گمن کس کا ہے
واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
درز بے عیب زمانہ میں جلن کس کا ہے
آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
عزم تسخیر پھر اے شیخ زمن کس کا ہے
آنگہ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
تم میں روپے گل و نسرین گمن کس کا ہے
عشق بذر عقل و مرد و حق میں چلے ہیں ہی
رستہ اب دیکھیے دونوں میں تم گمن کس کا ہے
شان و کمبختی نہیں کرتے چمن میں اس کی
دولہ تجھ میں یہ لے مرغ چمن کس کا ہے

پس نصاحت میں مثل واسطہ حالی دوز

دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے
عجب نہیں کہ ہے نیک و بد میں کچھ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سا نہیں بدلتی جاتی ہے
سپاہ و میر سپہ بلغ بارغ ہیں۔ لیکن
بمیر روتی ہے اور ساتھ ملتی جاتی ہے
کما جو میں نے و فکر تے آئے ہیں اجاب
کما زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے
قلق انہیں نہیں گرد و ستوں سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ بدلتی جاتی ہے
بہت کھو دیتے خلیجان بینوائی نے
ضرورت ایک کے بعد ایک ملتی جاتی ہے
ہجے ہیں بار امانت جو تیرے سب عاجز
زین بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

بر حکم پر ہوں، یعنی ہر حال میں رہیں خوش کچھ ہے مگر تویہ بے دنیا میں شادمانی
 صبر و سکون سے ہم کو یہ بھی بیڑنے دے تھوڑی سی رہ گئی ہے لے کا ہنر نہانی
 پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویلاں پہنچے تو بھی اب غنیمت اور ضعف و ناتوانی
 بکھیا جہاں جاناں نکمہوں نے اور نہ دل نے کیا جانے کس اداس کی اُس نے دل ستانی
 ایک نکتہ کے بیان سے سر بر نہو گے عالی

چلتا نہیں کسی کا یا ناف نکتہ دانی

کندہ کوئی ساقی سے کہ ہم کتے ہیں جیسے گرے نہیں ہے زہری کا جام بلا سے
 جو کچھ ہے سو ہے اُسکے قفاصل کی شکایت قاصد ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے
 دالہ نے امی، دانی تو ہے۔ لیکن دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلا سے
 ہے وصل تو نقدیر کے ہاتھ لے شہ جو یا یاں ہیں تو نقطہ تیری ثبت پس پیا سے
 پیا سے ترے سرگشتہ میں جو راہ طلب ہیں ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آب بقا سے
 درگزرے دواسے تو بھروسے پڑھا کے دسگندیں دُعا سے بھی دُعا یہ خدا سے
 اک درد ہر دہن آٹھ پر دل میں کہ جس کو تخفیف دواسے ہونہ تسکین دُعا سے
 حالی بدل انسان میں ہو گم دولت کوین شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان دُعا سے

چہ وقت پڑے دیجئے دستک وصل پر

بھیکے فقر سے نہ بھیکے امرا سے

کبک قمری میں ہی جھگڑا کہن کر کا ہے کل بتاؤں گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
 ہوا اغیار کی اغیار سے سن
 ہماری آہ بے تاثیر کا حال
 دلوں میں ڈالنا ذوق امیری
 دل مجھ سے سن لذت وصل
 نہیں جز گریہ غم حاصل عشق
 نہیں آپ بقا جز جلوہ دوست
 فریب وعدہ دیدار کی قدر
 فغان شوق کو مانع نہیں وصل
 قصید میں کیا کرتے ہیں جو ہم
 وہ تصویر خیال یار سے پوچھ

منا ہے بہا ہے شعرِ حالی

میری قیمت مری گفتار سے پوچھ

می

ہے اُن کی دوستی پر ہم کو تو بدگمانی
 بے جرم کوئی استرکتک سے طاعت
 عاشق کے دلوں میں تیری آگین
 امید وصل سے ہے کچھ جی چھڑا دیتا
 وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ انہی ہر پہلی
 نامح سے ہم کو اپنی کہنی پڑی آسانی
 دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی
 جو کچھ سنا ہے ہم نے مشالہ کی زبانی

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت
 بھالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
 کرو علم سے اکتسابِ شرافت
 فراغت کے دنیا میں دم بھرنہ بیٹھو
 جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے
 مصیبت کا اک رک سے احوال کنا
 کرو ذکرِ کرم اپنی داد و ہشس کا
 پھر اور دل کی سکتے پھر گئے سخاوت
 کہیں دستِ تم سے نہ جائیں منظر
 جو چاہو فقیری میں عزت زیادہ
 وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
 نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے
 ہے الفت بھی وحشت بھی نیا پرانہ
 فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
 پکے مفت یاں ہم زمانہ کرنا حقوں
 ہوئی عمر دنیا کے دھندل میں آخر
 غزل میں رنگت نہیں تیری عالی

جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
 نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
 نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
 اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
 نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
 مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
 مبادا کہ ثابت ہو محنت زیادہ
 بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
 جتنا ڈنہ اپنی محنت زیادہ
 نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
 جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
 خدا کے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
 پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
 مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
 پہ دیکھا تو مٹی یہ بھی قیمت زیادہ
 نہیں بس اچھے عقلِ مہلت زیادہ
 الا پیش بس آپ حُریت زیادہ

نہ شرافت تجھے پہناتا ہے اگر مفت تو بک
 آج کل کیجھہ کیا ہے ہی بازار کا بھاؤ
 قافلے ساتھ کے جاپٹھے حرم کے لگ بجگ
 وقت اب ہاتھ دیا جا رہی جاتے ہو تو آؤ
 اس کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
 ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

صح

مذہب حق بند جب تھا نہ اب کچھ
 فقیر کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ
 ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک نہ ابد
 بہت جاچ نہ لیتے ہیں۔ دیتے ہیں تب کچھ
 کچھ اؤڑ بن کر تم اسے میر و مرزا
 نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ
 یہ پبل تھی میں جو نکار سکتے ہیں
 جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کچھ
 دیا تو نے یاں جس بنانے سے چاہا
 ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
 ہے افسردہ مجلس کی خست و اعظ
 وہ گویا نگاہ یہ پسیمیں گئے جب کچھ
 تم اپنی سی کہنی تھی جو کہہ چکے سب
 نہیں ناھو تم پہ الزام اب کچھ
 یہ ہے میر مجلس کی صحنی کی مہرت
 ٹٹو لو تو یہی اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی نعمت چرب تا کا ہے شاید

یہ حالی کی عزت نہیں بے سبب کچھ

پر عاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
 مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
 تکلف علامتیں بیگانگی کی
 نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

نہ چھیڑوں تذکرہ وصل عدو کا اگر جمع مبارک پر گراں ہو
تقاضاے محبت ہے۔ مگر نہ مجھے اُمّ جھوٹ کا پیر گیاں ہو
بہت بمقدار ہوں محفل میں تیری کہیں ناخواندہ تو بھی یہاں ہو
مجھے ڈالا ہے سود ہم دگلاں میں بہت کیوں آج مجھ پر مہراں ہو
مکر خون پر ہمارے باندھ رکھے جسے سنی ہماری دھتاں ہو

موثر ہے بہت حالی بڑا وعظ

کل اس کے سامنے بھی کچھ بیان ہو

حکم ہے پیر مہاں کا جوانی نہ گنواؤ خیر کفارہ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ
دل کو کس طرح سمجھئے کہ وہی ہو یہ دل وہ اُمیدیں ہیں ایمان وہ اُمنگیاں ہیں چاؤ
یار کو یاد بھتا ہے نہ تو غیر کو غیر تو تو اچھا ہے مگر تیرے لئے میں برتاؤ
دوست ہوں جسکے ہزاروں کسی کا نہیں دوست سچ بتا چھ کو کسی سے بھی ہر دنیا میں لگاؤ
تو وہی برق جہاں ہونہریں خواہ نہ بن ہے برابر تر بلے ساختہ پن اور بسناؤ
ایک ہی دوست اور اس سے ہیں چھوٹا تو نا صحاب تمہیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ
ہو گیا ذکر قیامت تو اجسیرن واک باتیں کچھ اور کر نہ تہمتہ کوئی اور سناؤ
تجھ کو اسے ابر بلا دیکھ کے بی چھوٹ گیا ایک ہی بات تم اسے بادلو اس طرح نہ چھاؤ
پہنچ اسے فخر کہ ہے وقت مدد گاری کا ڈنگ لگاتی ہے بہت دیر سے منی بھاری ناؤ
دیکھیں کس طرح نہ سر سبز ہو پھر کشت اُمید آؤ اور ندیاں آج آنسوؤں کی ل کے بہاؤ

نصلِ عزہ ان کہیں ہیں، صیاد گھات ہیں مرغِ چمن کو فرصتِ سیر چمن کہاں
 لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرفِ آشنا لیجائے ہم کو دیکھئے ذوقِ سخن کہاں
 جی ڈھونڈتا ہے بزمِ طرب میں انہیں مگر وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں
 دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا اب ہم کہاں ہوئے نشاطِ وطن کہاں
 کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے شکوے کو لیگا ہے وہ بیادِ دفن کہاں
 روکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر

جاتا ہے محشوق کا دیوانہ پن کہاں

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں مجھے کتنا ہے کچھ اپنی زبلیں میں
 قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح لگا دو آگ کوئی آشیان میں
 کوئی دن بولاموس بھی شاد ہو لیں دھرا کیا ہے اشارتِ نہاں میں
 کہیں انجامِ آپہنچا و فنا کا کھلا جاتا ہے اکے امتحاں میں
 نیا ہے لیجئے جب نامِ اس کا بہت وسعتِ ہیر نئی ستاں میں
 دل پرورد سے کچھ کام لوں گا اگر فرصتِ ملی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے ملکہ

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

سے دل میں ہو گوجھ سے نہاں ہو ق مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار
ہم کو سچا نظر آتا کوئی اقرار نہیں
کل خرابات میں اک گوشہ کرائی بھی
دل میں سب کچھ ہو مگر نصرتِ گفّار نہیں
حق ہو اکس سے ادا اسکی وفاداری کا
جس کے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کوئی راہ
کعبہ دودیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں
ہوں گے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سن کر

جو تعالیٰ میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
کچھ پتا منزل مقصود کا پایا ہمارے
چشم بد دُور بہت پھرتے ہیں اغیا کیساتھ
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ گفّار نہیں
ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
غیرتِ عشق سے اب تک وہ خبردار نہیں
مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
لٹا الحمد کہ باہم کوئی تکرار نہیں
اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ غار نہیں
ورد نہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنی حالی

سخت مشکل ہے کہ وہ قلیل اظہار نہیں

دشت میں تھا خیال گل دیا سمن کہاں
لائی ہے بوئی اُنسِ نسیم چمن کہاں
ہے بندگی کے ساتھ بیانِ ذوق دید بھی
جائے گا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں
اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زادِ راہ
داں دخل دستِ برد کو لے راہزن کہاں

قیس ہو کو کہن ہو یا حالی عاشق کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ ہنسی کھیل نہ بھلنا غم بھراں میں نہیں
کھو دیا یا س نے ذوق خلش فکر و مال
ہمنے کی سیر چمن غور سے لے بلبل زار
عشق نے مصرعیں سو بار زینحائے کہا
محتسب! صدق و صفایاں بھنیں گے دم
یاں بھی ہو کوں مکانِ گل و وحشی آزاد
بھڑتے بھڑتے دل یوں ہی بھڑ جائیگا
کس طرح اسکی لگاؤ کو بناوٹ سمجھو
دی ہو دعا عطائے کن آداب کی تکلیف نہ چھو
آہنی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے
بیقراری مٹی سب اُمید ملاقات کے ساتھ

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز

یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلمان میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشا زخیں
شادی، بھل بھی عاشق کو سزا دانیں
خوبروئی کے لئے زشتی خوبھی ہے ضرور
بچ تو ہے کہ کوئی تجھ سا طرہ اہ نہیں

نہیں کچھ منحصر دلہنگی زلف پریشانیں
 اگر چھوڑا کہنہ جذبہ عشق زینحانے
 جو دل چاہے تو اچھے اک غبار دو دیہاں میں
 نہ پہنے دیگا حسن خود نیا لوسن کو کنگاں میں
 تصور نے بھلایا تیرے ذوق شادی غم کو
 خوشی میں بھی نہیں رہنا خوش آنا ایک حالت پر
 کما نک جی نہ گھبرائے اکی در دیہاں میں
 نہ پوچھو ہم سے کیا دیکھا ہے ہم نے بزم زندانیں
 زبان تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
 سوائے طول حسرت کیا دھڑائی آپ جیواں میں
 فلک جیتے جی معلوم بلنا کامل و خضر
 نیم مصر کہا ہے اک دن بیت احزاں میں
 نہ چھوڑی تھی محنت یار سے ناکام عاشق کو
 ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیر گشتاں میں
 گل نسریں تو کیا فرقت میں جی تک چھوٹ جاتا
 بہت دن چاہیں لوسن کو تا پہنچے زینحانک
 بیکل کچاہ کنگاں بھی رہنا ہی زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصت میر جہاں اکدم

رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاباں میں

اب وہ اگلا سا التفات نہیں
 مجھ کو تم سے پراعتاد و وفا
 جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں
 تم کو مجھ سے پراعتاد و وفا
 زندگی موت ہے حیات نہیں
 برع کیا کیا ہیں ایک جان کیساتھ
 فرصت غم کو بھی ثبات نہیں
 یو نہیں گندے تو سہل کیلین
 سرسری دل کی دماغات نہیں
 کوئی دل سوز ہو تو کیجئے بیان
 جاگ اے آنکھ دل سے فلت نہیں
 ذرہ ذرہ ہے مظہر خورشید

سُخِ اُور بہیرِ دونوں پھرتی ہیں بے خبری
 گویا امیرِ شکر مارا گیا ہے رن میں
 خود و بزرگ سارے ہیں بدحواس گویا
 لٹنے کی قافلہ کے پنہی خبرِ وطن میں
 بھولی ہوئی ہیں ڈائیں ہر لون کی چوڑکی
 جائیں کہ جھکے سرِ ودون لگس ہی کون میں
 حالی بس اب نہیں یاں سُسنے کی تاباقتی
 مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زبان نے تیری سینوں کو چھپ ڈالا

ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہے زبانِ دہ میں

ہے جتو کہ جو ہے خوب تر کہاں
 اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں
 ہے دردِ جامِ اقلِ شب میں خود کی دُند
 ہوتی ہے آج دیکھئے ہم کو سحر کہاں
 یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر
 تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں
 اک عمر چاہئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
 رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں
 بس ہو چکا بیانِ کسل و رنجِ راہ کا
 خط کا مرے جواب ہے اے نامہ پر کہاں
 کون دمکان ہے دل و حسی کنارہ گیر
 اسِ غنماں خراب نے ڈھونڈھا ہر گھر کہاں
 ہم چسپہ مرے ہیں وہ ہی بات ہی کچھ اور
 عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو نگر کہاں
 ہوتی نہیں قبولِ دعا ترکِ عشق کی
 دل چاہتا نہ ہو تو زبان میں اثر کہاں

حالی نشاطِ نغمہ دے ڈھونڈھتے ہو اب

اُٹے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

پیابھنے نہ جام بے کدورتِ بزمِ دوراں
 خزاں کو لیگئے ہمراہ گرنچے گلستان میں

بادِ صبا گئی پھونک کیا جانے کان میں کیا
 چپے زبانِ سوسن حیران ہے چشمِ نرگس
 ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 ہے عیاہلِ اسلام یا موسمِ بہاراں
 مٹنے سے دھواں اٹھا لیتے ہی نامِ اسلام
 پھر زخمِ پھوٹ بکلا حالی نہ چھیڑنا تھا
 گوروچکے ہیں دکھڑا۔ سو بار قومِ کاہن
 وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمنِ محلی
 پائیں بزمِ بھی اب ملتی نہیں اُسے جا
 ٹھہر کی جوں میں ہے مرغوبِ اباہِ ملت
 وہ دن گئے کہ حکمتِ محلی مستنیر ہوئی
 وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے
 قبرِ اوئیں پر ہے بس فخرِ ابِ قرن کو
 اس بار غ کی خزاں نے کچھ خاکِ ہی اڑادی
 ڈالی نہ ہوگی آگے لے دو درجہ شاید
 پھولے نہیں سہلے نچے جو پیرِ بن میں
 قدس کا دیکھ جلوہ نسرینِ دفترِ بن میں
 پڑنی ہے جانِ باقی بس سروِ نارِ دن میں
 جنگلِ بسا ہوا ہے سب عطرِ یا سمن میں
 بارودِ بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں
 فصلِ خزاں کا قصہ ذکرِ گل و سمن میں
 پرتازگی وہی ہے اس قصہ کمن میں
 تم نے سنا بھی؟ اُس پر گیا گذری انجمن میں
 روند وں حین ہے وہ گلبن بھولا تھا جو چمن میں
 تھی سہناک کل تک جو شیر کے بکن میں
 ہے اب بجا حکمت خاک اڑ رہی بن میں
 ہے کالِ موتیوں کا اب سرِ سرِ عدن میں
 زندہ اوئیں کوئی باقی نہیں قرن میں
 فصلِ بہار گویا باقی نہ تھی چمن میں
 جو ابکے تو نے پھل ڈالی ہے انجمن میں

سلمین کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اکابرِ ایمان و الحکماء ایمانینہ یعنی ایمان کے تو
 ہیں گاہے اور حکمت ہی تو میں کی ہے "اسی بنا پر میرا فقرہ ادا نے اپنے فلسفہ کا نام حکمتِ ایمان رکھا ہے"

ہاندر۔ آدمی۔ فرشتہ۔ خدا آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
 آج کل چرخِ ظلم جو ہے بہت دیکھئے ہو گاڑ کس کس میں
 کی ہے خلوت پسند حالی نے
 اب دیکھو گے اس کو مجلس میں

ابوالموس عشق کی لذت سے خبر لائیں ہیں مے نازکے دلائل قلع خوار نہیں
 شہر میں ان کے نہیں جنس وفا کی بکری بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے یہ خریدار نہیں
 کون سے وہ گل رعنا پہ نواہنج نہیں کونسی زرگس شہلا کے وہ بیمار نہیں
 کبھی سیلی پہ ہیں مفتون کبھی شیریں پیدا اور جو پھر دیکھو تو دو نو سے سروکار نہیں
 اٹھ نہیں سکتی سزا جرم وفا کی ان سے دل پھنسا کر کہیں جتنے وہ گنہگار نہیں
 میث میں جان فدا کر کے کو تیا ہیں وہ اور جو ہو کیل کا کھٹکا بھی تو پھر بار نہیں
 نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا ان کو دسبد بھانگنے پھرنے سے انہیں غار نہیں
 ابوالموس کام طلب بندہ نفس اہل ہوا ایک عالم ہے اسی رنگ میں دو چار نہیں
 دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے ان میں گھٹا رہی گھٹا رہے کر دار نہیں
 کے حالی بھی اگر عاشق صادق ہوں میں
 کمد و دانش کہ صادق نہیں نہار نہیں

پھونکا ہے فصل گل نے صورا کے پھر چن میں اک حشر ہے برپا مرغابن لغہ زن میں
 بیل کے آگے کچھ تن میں لگ ہی ہے بجلی گری فلاں کے یا گل کھلا پن میں

زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب کے زاہد یاد اٹھ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
 عیب یہ ہے کہ کرو عیب بہر و کھلاؤ وعدہ یاں عیب تو سب فرویش کرتے ہیں
 غمزد و رنج و مصیبت پہ کر دنا ز کہ وہ دل دکھاتے ہیں ہی جس میں گھر کتے ہیں
 جی رکاوٹ سے جو اگلی کسی رک جاتا ہے اک لگاوت اور حسد وہ اُدھر کرتے ہیں
 اک یہاں جینے سے بیزار ہیں یہاں بیا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
 تلخیاں زیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
 قیصر و زار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم بس ہماری ہی طرح وہ بھی گنہگار ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حلی

آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف یہ مجلس میں رنجے بھکیں گے سیکڑوں میں
 کی نصیحت بڑی طرح ناصح اور اک بس ملا دیالوس میں
 ہو نہ بیٹا تو فرق پھر کیا ہے چشم انسان چشم زکس میں
 بے قدم دم میں غافل ہوں میں بے عمل علم میں مادی میں
 دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز اب دھڑاکیا ہے انہیں اندر میں
 نہ ہو قبضے میں جب غلظت فرس بیچ میں جو ہنر میں فادر میں
 جس سے نفرت ہے اہل نعمت کو وہی نعمت ہے چشم مفلس میں
 ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان وہ خود راہبت نہ ہو جس میں

بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں
سُرتے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
غلُ تو بہت یاروں نے چایا پڑ گئے۔ اکثر مان ہمیں

غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں

بس کوئی دن کا اب حالی یا سمجھو تم مہمان ہمیں

کی تو ہیں ہم نے بھی حالی کچھ کی تیار کیا
سوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
خواب راحت میں وہ لذت تیرے ہی پر نہیں
جو جانی میں مزادیتی تھیں سب بیاریاں
ہیں اگر بیہ دیاں اپنوں کی دل کو ناگوار
ناگوار اُن سے سیاغیروں کی ہیں غجاریاں
ہے کہیں اقبال کی ذہبت کہیں ادبار کی
سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی بابیاں
زیست بے عقلوں کو ہو جائے بسر کرنی محال
اتنی بھی مے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں
بے مزہ ہے اہل دیں کی ترش روئی بھی مگر
اس سے پھسکی اہل دُنیا کی ہیں ظاہر و باہر
گو طبیعت سے گئے سب مائے فاسد بکل

کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی بیاریاں

رازِ دل کی سر باز خبر کرتے ہیں
آج ہم شہر میں خون اپنا ہذر کرتے ہیں
عقل کی بات کوئی ہم نے کہی ہے شاید
جنتی جتنے ہیں سب ہم سے حذر کرتے ہیں
جرم خالق سے سوا پاتے ہیں جرمِ فقہا
جب کہ ہم اپنے گناہوں پہ نظر کرتے ہیں
کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو عطا!
بولِ قوال کے بچو دل میں اثر کرتے ہیں

کھیتوں کو دے لپائی اب رہی ہے گنگا - کچھ کرو نو جوان اٹھتی جوانیاں ہیں
 فضل و ہنر بڑوں کے گرمیوں تو جالیں گرہ نہیں تو بادیادہ سب کہانیاں ہیں
 رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی

یہ خوں نشانیاں ہیں یا گل نشانیاں ہیں
 جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہیں
 اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہیں

کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم آسائش کو
 مکمل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلیبان ہیں
 چل کے نئی اک چال فلک سے کھودے ہوش حریفوں کے

زد سے بچیں یا مات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہیں
 پاس انہیں گرا پناؤ راہو - جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو

کرتے ہیں خود نامنصفیاں اور کہتے ہیں نافرمان ہیں
 داد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس ہو

بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہیں
 صحرائیں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا

دیکھ کے اُس کو سارے تمہارے لگئے یاد احسان ہیں
 یاں تو بدولت زہد و دوسرے کے بخمہ غمی خاص عزت سے

اب شوق سے بگاڑ لی باتیں کیا کرو کچھ پاگئے ہیں آپ کی طرزِ ادا سے ہم
 و دلکش ہر ایک قطعہ صحر ہے یاویں ملتے ہیں جلکے دیکھئے نگاہِ رواں سے ہم
 لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
 پوچھیں گے جلکے حالی جاویدیاں سے ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالی اب سرگزیں ہیں
 یا داسکی دل سے دھوکے چشم تر تو ماںوں
 بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
 غیبت ہو یا حضورِ نبیؐ نون بڑی ہیں تیری
 کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہے تیری
 رحمت تری غزالے غصہ تری ادا ہے
 ہوگا تو پہلے ہوگا اسے چرخِ مرزاں تو
 اپنی نظر میں بھی یا اب تو حقیر ہیں ہم
 روتے ہیں چارہم پر ہنستے ہیں چارہم پر
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ملیں خوش
 خاور سے باختر تک جنکے نشان تھے برپا
 دیکھا نہیں ابھی تک قحطِ الرجال تم نے
 نہیں اُنچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
 اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں
 اُلفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں
 جب بدگمانیاں تھیں اب بد زبانیاں ہیں
 سب غفلتوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں
 شائیں ہیں تیری جتنی جانِ بہانیاں ہیں
 کچھ ان دنوں تو ہم پر ناہر انیاں ہیں
 بے غیرتی کی یادِ رطب و زندگائیاں ہیں
 یاں تک ہماری پوچھیں اب ناخوانیاں ہیں
 حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
 کچھ مقبروں میں باقی ابھی نشانیاں ہیں
 اس سے بھی سخت آیتیں آگے گر انیاں ہیں

جاننے اپنے سوا سب کو ہیں بے ہر و وفا
 نخل سے مہسوب کرتے ہیں زما کو سدا
 اپنے میں گر شمع ہر و وفا پاتے ہیں ہم
 گر کسی توفیق و اشار و عطا پاتے ہیں ہم
 مدد خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم
 حل لغتوں کا اتنا ہی بڑا پاتے ہیں ہم
 کبر و انا تا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم
 نہ نشیں اس میں مگر نہ دریا پاتے ہیں ہم
 داغ رسوائی کے کچھ زیر و پا پاتے ہیں ہم
 دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں وہیں پاتے ہیں ہم
 نوز کے ہم نے گلے دیکھے ہیں اے حالی مگر

رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

آگے بڑھے نہ تیرے عشق بتاں سے ہم
 اب بھاگتے ہیں سایہ عشق بتاں سے ہم
 خود رفتاری شب کا مزا بھولتا نہیں
 درد فراق رشک عدوت تک گرا نہیں
 جنت میں تو نہیں اگر اے زخم تیغ عشق
 لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر
 ہنستے ہیں اس کے گریہ بے اختیار پر
 سب کچھ کما مگر نہ کھلے ساز داں سے ہم
 کچھ دل میں ڈسے ہوئے کچھ آسمان سے ہم
 آئے ہیں آج آپ میں یار کہاں سے ہم
 تنگ آگئے ہیں اپنے دل شاماں سے ہم
 بدلیں گے تجھ کو زندگی جاوداں سے ہم
 آئے ہیں آج چھوٹ کے قید گراں سے ہم
 بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی دریاں سے ہم

م
 در رسہ میں دہر کے روبرو قبا بیٹھے تھے ہم
 پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کا فر کے لوٹ
 مصحبتیں اہل دین کی سب گئیں نظروں سے گر
 شیخ دُنیا کی حقیقت رہ کے دُنیا میں کھلی
 ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوی ستری
 سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
 اُٹھے بس ویسے ہی کیسے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 نال دُنیا سے ابھی سو کر خفا بیٹھے تھے ہم
 بزمِ ندان میں یو نہیں آکر نہ جا بیٹھے تھے ہم
 در نہ دھوکا دوسے دیکھ کر کھا بیٹھے تھے ہم
 آدنی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم
 ہاتھ صاقل ہی پر بیڑے راتھا بیٹھے تھے ہم

ہم سے خود دُنیا ہی پتیا ہی نہ حالی در نہ یان
 دین تک دُنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گوبے انتہا پاتے ہیں ہم
 خوں کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
 کہتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نائش کے نہیں
 دیدہ و دل کو نیا تیسے نہیں رکھ سکتے باز
 دل میں درد عشق نے دست کر رکھا ہے گھر
 ہو کے نادمِ جرم سے پھر جرم کرتے ہیں ہی
 میں فداؤں دوستوں پر جرمیں ہو صدق و صفا
 گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
 پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم
 گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم
 پر گز چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
 گرچہ دست دیا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
 پر اُسے آلودہ حوص و ہوا پاتے ہیں ہم
 جرم سے گواہ کو نادمِ سدا پاتے ہیں ہم
 پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم
 اک جہاں سے آپکو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

کا ہشون ہر دوش باقی ہو روح اب لگا کھایا پیاسا بکے لنگ
 عقل شاید ٹمک میں باقی ہے کچھ بچھل بھی کچھ مال فیون بھنگ
 بڑھ گیا ہے رحم انسانی بہت ہوگی ایجاد اب نئی تو پتہ تنگ
 قوم کو حالی نہیں راس اتفاق
 پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہر رنگ

ل
 ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل
 رہ گئے ہیں کچھ کچھ آنا ر سلف اور ابھی ہونا ہے شاید بتزل
 اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں ورنہ گر کر گئے لاکھوں سنبھل
 کب تک آخر ٹھہر سکتا ہے وہ گھر آگیا بنسیا دیں جس کی خلل
 ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیوا ہو پار تیری حد بھی ہے کچھ لے طول اکل
 اب لگاؤ پودھ کچھ اپنی نئی لاچکے پودے بہت اگلوں کے پھل
 دیکھیے نبھتا ہے کب تک پاس وضع ہم بد لے اور گیا عالم بدل
 کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں دقت کوشش کا گیا شاید مکمل
 اب سدا حالی کے نوے عمر بھر
 ہو چکا ہنگامہ مدح و غزل

دوست کیس جان نثار پانا ہو یا بیگانہ
 ہے عشیرہ اور ان کا دودمان سب الگ
 سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
 ہے کوئی بھییدی اور بھارنہ سب الگ
 جانچتے اور دل کو ہیں خود لیے اپنا آجھان
 رکھتے ہیں اپنا طریق امتحان سب الگ
 اک چمن بہر تفریح رکھتے ہیں زیرِ بغل
 روضہ وستانِ فردوسِ جنان سب الگ
 کلہا جڑان ہے روشن دان کا جس متاب
 ہے وہ نورِ مہر و ماہ و مکشاش سب الگ
 سیکڑوں پھندوں میں ہیں بکلا ہوا ہر دیند
 پر ٹوٹے کوئی حل نکالتا تو اس سب الگ
 شاعروں کیس سب انداز سخن دیکھے ہوئے
 دود مندوں کا ہر دکھڑا اور بیا سب الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر

شہر میں کھولی ہے مالکی نے دکان سب الگ

صلح ہے اک مہلت سا ماہِ جنگ
 کہتے ہیں بھرتے گویاں غلی تغنگ
 عمر گیتی پر نہ پھولیں کامراں
 آخر میں کی آشتی لائے گی رنگ
 علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا
 سب بشر کے مار بکھنے کو ہیں جنگ
 روئے بد نحو بد خوئی سے کیوں
 آپ اپنی خو سے آجائے گاتنگ
 زہد و طاعت پر جوانوں کی نیاڈ
 یہ بھی ہے ایک نوجوان کی ترنگ
 پاکبازوں کو نہیں کچھ قید و منع
 جو ہیں اچھے اپنے رشتے ہیں رنگ
 کام کا شاید زمانہ ہو چکا
 دل میں اب اٹھتی نہیں کوئی جنگ
 وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کل
 دیکھ پہلے جن کو رہیالتے تھو رنگ

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کیسے بر ملا ایک تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک
 سلامتی کو وہاں قافلوں کی رہیٹھیں جہاں ہے راہزن فلق پر منہ ایک
 زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر بنا ہے غوثِ زمان آج کل کلا ایک
 سہا ہوں رند بھی اسے شیخ پارسا بھی مری نگاہ میں ہے رند پارسا ایک
 وفا کی ایک تجھی سے امید ہے اس وقت کہ یار سے ہو جائیگا جا ایک ایک
 چھپا کے اس سے قصور اپنے ہم ہمت فرما جب آپ منہ سے گئی بولنے خطا ایک
 ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بن گئی کا ادا کیا ہے جس نے حق خواجگی ادا ایک
 امیرِ حاج کی ہمت میں گرنے قصور تو موجِ بحر سے کشتی کی ناخدا ایک
 ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کے دفتر کو ورق جب اس کا اڑا لیگئی ہوا ایک ایک
 ہمارے بھی نہ بٹل تری بھائی آگ جگر کے پار ہے اب بھی تری خوا ایک ایک
 وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہوا بن وہ ہم پہ دل پہ نقش ہوا تک تری صدا ایک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی پہ دلخراش جہاں
 رہے گی حالی دلیہ کی صدا ایک

ک

عالمِ آوازاں ہے اک جہاں سب الگ ہے زمین انکی اور مَن کا آسمان سب الگ
 پاک ہیں آلاشوں میں۔ بندہ شوقین کٹاؤ جھپٹے ہیں دنیا میں سب درمیان سب الگ

ف

حق نہ ملانے کچھ بتایا صاف اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
 آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی ہر روشن نظر بٹایا صاف
 کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
 زاہد و ہم تو تھے ہی آلودہ تم کو بھی ہم نے کچھ نہ پایا صاف
 کیوں فقیہوں سے ٹک گئے حلی
 بھی تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق نہ اپنا کلبہ احزاں ہے یار کے لائق
 کرے گا کیا ترا کھل الجواہر اے کمال نہیں یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لائق
 مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ بہت ہے زندگی مستعار کے لائق
 غور و حرص ہیں زیور عروس دنیا کے بناؤ تھے ہی اس نابکار کے لائق
 کرے گی باد بہار آکے اب کے سرسبز رہا نہ باغ قدوم بہار کے لائق
 پس آجے فضلہ رو باہر گریز گندراں رہا نہ شیر ذریاں خود شکار کے لائق
 گنہ کا غدر کریں محتسب ہم آنکھوں سے ہمارے جرم ہوں گراعتذار کے لائق
 گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی تمہیں تو شہر میں ہوا اعتبار کے لائق
 یہ ہم نے مانا کہ تم میں خیر بھی ہیں کچھ کچھ مگر نہیں کوئی غبی شمار کے لائق

السلام اے قاصدِ ملکِ بقا الوداع اے عمر فانی الوداع
 روزگارِ ضعف و سستی الصلا وقتِ سعی و جانفشانی الوداع
 فرصتِ عشق و جوانی الفراق قطعہ دورِ عیش و کامرانی الوداع
 تجھ کو سمجھے تھے نعیم جاوہاں ۲ اے نعیم جاوہاں الوداع
 تیرے جاتے ہی گئیں رنجبیاں ۳ اے خدا کی مہربانی الوداع
 ۴ انگا حلی کسارے پر جہاز
 الوداع اے زندہ گانی الوداع

غ

کل کبکے چمن میں یہ کتنا تھا ایک نارغ دیکھ اس حرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ
 ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھان میں حلے سے یاں اہل کے نہیں ایک دم فرارغ
 یارب نگاہ بد سے چمن کو بچائیو بنبل بہت دیکھ کے پھولوں کو بلغ بارغ
 دو چار گام نقش قدم بل کے رہ گئے آگے چلا نہ آہوے مشکیں کا کچھ سارغ
 آئیں پیس وہ شوق سے جو اہل ظن ہو ساقی بھرے کھڑے ہی نعل سے یارغ
 جنگل میں تختہ گل خود رو کو دیکھ کر تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا لارغ

حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعریں
 باری تب ان کی آئی کہ گل ہونگے چارغ



غنچہ چٹکا آدہ آپہونچی خسراں فصل گل کی تھی فقط اتنی بساط
 زینہ ممبر ہے لغزش کی جگہ جانو داعظ اسے راہ صراط
 تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ ہم کریں پیئے میں کیوں پھر احتیاط
 کوچ کی حالی کر دتیا ریاں
 ہے قویٰ میں دمدم اب الخطلا

ط

چھپے پس حلیفوں میں احرار واعظ بڑا کہ نہ زندوں کو زہنسا ر واعظ
 سدا قربی قبر ہے عاصیوں پر ر ستارے تو نہ غفار واعظ
 بکل آئے گی میکشی کی بھی حلت کوئی مل گیا اگر ہمیں یار واعظ
 کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار واعظ
 ہمیں اور بھی تجھ سے کر کے بہن ظن یہ جتہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
 نہ چھوڑیگا زیور گھروں میں نہ زر تو یہی ہے اگر حسن گفتار واعظ

مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے
 ہوئے بات کہہ کر گنگار واعظ

ع

اے ہمارے زندگانی الوداع اے شباب لے شامانی الوداع
 اے بیاض صبح پیری السلام اے شب قدر جوانی الوداع

چاہیے ایک سب کا ہو مقصود گو ہوں سب کی مجھ اُجدا اعراض
 یاد میں تیری سب کو بھول گئے کھو دیئے ایک کچھ نے سب امراض
 دیکھئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض
 لا ابا لای بان یقیناً محفلِ نامیں واقتِ عتی راض
 معمولِ بندِ خیر میں یہ دیر اپنا مطلب اور اس پہ سوا غماض
 حق میں اپنوں کے سخت تمسک ہیں جو کہ اور دن کے حق میں ہیں نیاض
 راسے کچھ علیل سی تیری نبض اپنی بھی دیکھ اسے نباش
 وعظ میں محل کترتے ہیں واعظا منہ میں ان کے زبان ہے یا مقرر
 ہے نقیصوں میں اور ہم میں نزاع ہل لٹا فی نزاعنا میں قاصر
 ہے ریاضت پہ ناکیا زائد غار کش تجھ سے ہے سوا امتراض
 شیخ کی تھی یہ آخری تلقین چاہیئے زرتو اس سے کرا عرض
 ایسی غزلیں سننی نہ تھیں حالی یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گزری ہو چکا دورِ نشاط طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
 دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر نام تھا شاید جوانی کا نشاط
 دن اب ایدل منقبض ہونے کے ہیں ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ سنی عامر میں فخر ہوتا ہے گھرنے کا سد ایک ہی شخص
 جگمگے دیکھے ہیں جن لوگوں نے انکھوں نے آج دیا کوئی دے ہم کو دکھا ایک ہی شخص
 گھر میں برکت گر فیض ہے جاسی شبِ روز کچھ سی شمع گر ہے بخدا ایک ہی شخص
 اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالی یہ چوڑ
 شاعر اب ویں فدائی ہیں کیا ایک ہی شخص؟

ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض
 دل میں ہے اے خضر گر صدق طلب راہرو کو رہنمویں سے کیا غرض
 ماجیم ہے ہم کو گھر والے سے کام گھر کے محراب ستوں سے کیا غرض
 گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو اُن کو چنگ و افینوں سے کیا غرض
 نیک کننا نیک جس کو دیکھنا ہم کو تفتیش دروں سے کیا غرض
 دوست ہیں جب زخمِ دل سے پیچھے اُن کو اپنے افک خوں سے کیا غرض
 عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث شیر کو مید زبوں سے کیا غرض
 کر چکا جب شیخ تفسیرِ قلوب اب اُسے دنیا سے بدوں سے کیا غرض

آئے ہو حالی پے تسلیم یاں

آپ کو چن دچگوں سے کیا غرض

دوست کا ناروانسیں اعراض دوستوں ہی کا کام ہے اغراض

غفلت سے کہ گھیرے ہوئے ہے چاٹنے کے اور معرکہ گردش آیا م ہے درپیش
 وہ دن گئے جب تمہارے صعب کا آغاز اب اس مرض صعب کا انجام ہے درپیش
 گو صبح بھی تھی روز مضیبت کی قیامت پر صبح تو جوں توں کٹی اشام ہے درپیش
 وہ وقت گیا۔ نشہ تھارو روں پہ چپ اپنا اب وقت خمارے گلغام ہے درپیش
 امید شفا کا تو جواب آہی چکا ہے اب موت کا سننا ہمیں غلام ہے درپیش
 جی اس کا کسی کام میں لگتا نہیں زہار
 ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے پیش

ص

ہر بشر سے اپنی مقصودیں عطا ہیں خاص خاص ہر مرض کو اس میں جیسے دوایتیں خاص خاص
 دل تو اپنا بھر چکا ہے زل زل و نیلے مگر بہزن دل میں ابھی رہی اسکی ادایتیں خاص خاص
 گونا گونا نے بھلا دی دل سے اپنے فصل گل یاد ہیں لیکن وہ یل کی صدایتیں خاص خاص
 زہر و تقویٰ سے نیک و تین دعائیں مستجاب وقت ہیں کچھ خاص خاص اور یہ ادایتیں خاص خاص
 یوں تو ہے امید صعب کچھ پر نہ ہوں شاید معاف
 وہ جو کہ ہیں ہم نے لے حالی عطا ہیں خاص خاص

درد اور درد کی ہر سبک و دہ ایک ہی شخص یا ہے جلا و سیا بخدا ایک ہی شخص
 حورو و فلان کیلئے لاشیں دل آس کر کس کا بچنے دیتا نہیں یاں عہدہ برا ایک ہی شخص
 قتلے گندیں وہاں کیونکہ سلامت اعطا ہو جہاں برا بہزن اور اہنما ایک ہی شخص

رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ جبراً اپنے پاس
 خاک میں ہم نے ملا رکھی ہے اکیر اپنی آپ
 ورنہ ہے ہر درد کا موجود در مان اپنے پاس
 دست بڑھا ہر من کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
 ہے محمد اللہ وہ مسرِ سلیمان اپنے پاس
 دیکھنا حالی نہ دینا وضعِ نظرت کو بدل
 ہے یہ دستاویز استخلاف رحمان اپنے پاس

چھیڑا بے اے تصورِ مرگان یار بس کافی ہے خارِ خارِ غم روزگار بس
 یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے غمخواری اپنی رہنے دے لے غمگسار بس
 ہر دلِ غم فصلِ گل کی نشانی ہے اے صبا گلشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس
 ڈر ہے دلوں کیساتھ اُمیدیں بھی پس نچائیں اے آسیائے گردشِ میل و نہار بس
 دیں غیرِ دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس
 آتا نہیں نظر کہ یہ بولات اب سحر کی نیند کیوں حرام بس لے انتظار بس
 تھوڑی ہے بات اور کمائی بہت بڑی
 حالی بھل سکیں گے نہ دل کے بنجار بس

ش

اک ہم کو ہم برسراِ یام ہے درپیش
 بتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش

۷ ناتوانوں پہ گدہیں منڈلاتے ، گھائلوں پر ہیں حیز تیر انداز
 ۸ تشنہ خون میں بھوکے شیروں کے ، جیلہ گر روہوں کے عشوہ ناز
 ۹ دشمنوں میں دوست خود جاسوس ، اور یاروں کے یار ہیں غماز
 ۱۰ ہو گا انجم دیکھئے کیا کچھ ۱۰ ہے پر آشوب جبکہ یہ آغاز
 ۱۱ کئے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آہی ہے کچھ آواز
 ۱۲ وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج ہاٹل ہے اور ہوانا ساز
 ۱۳ یا تعقیب ہو کے لے اُبھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
 ۱۴ کام اسے اپنے سونپ دو حالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور لہاز
 ۱۵ بے وہ مالک ڈبوئے خواہ تڑے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذبِ رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
 رکھتے ہیں عاصی کمنہ صیدِ غفران اپنے پاس
 ناجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکثر درگزر
 عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضوان اپنے پاس
 ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سلطان اپنے پاس
 بامِ بتلایا بلند اور نارِ سا بخشی کمنہ

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و نبو اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز
 بزم ماتم تو نہیں۔ بزم سخن ہے حالی
 یاں مناسب نہیں رورو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز ۱ ہم نے دیکھے بہت نشیب و فراز
 عشق کی آغے اُس میں پاتاویں ۲ دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گزار
 شیخ! اشد رے تیری عیالی ۳ کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
 اک پتے کی جو ہم نے کدی کج ۴ رنگ و اعظ کا کر گیا پر وار
 ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری ۵ تو گئی بھول بکھ خاک حجاز
 آج منکر بھی ناچ اٹھیں گے ۶ گر مغنی کی ہے یہی آواز
 خیر ہے اے فلک کہ چار طرف ۷ قطعہ چل رہی ہیں ہوا میں کچھ ناساز
 رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ۸ ہیں دگرگون زمانہ کے انداز
 ہوتے جاتے ہیں نور و نہضت ۹ بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز
 چھپتے پھرتے ہیں کبک تہوے ۱۰ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
 ہے ہمتوں کو رہ گز میں خطر ۱۱ رہزنوں نے کئے ہیں ہاتھ دواز
 ٹڈیوں کا ہے کھیتوں پہ ہجوم ۱۲ بھیڑیوں کے ہیں غول تیرے لب آؤ

۱۳ یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خان کے قتل کے بعد

سرود یہ۔ مانیٹنگرو اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدر مہینچا ۱۴

موجِ نعل میں ہیں یاغون کے دیئے چشم
 لے کے طاع آئیگا سینے پہ بہت لے سیاح
 چپے چپے پہ ہیں دیاں گوہر بیکتا خاک
 مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی اب تو
 وہ تو بھولے تھی ہمیں ہم بھی انہیں بھول گئے
 جس کو زخمیوں سے حادث کے پھوٹا سمجھیں
 ہم کو گزرنے لڑلایا تو لڑلایا اے چرخ
 یار خود روئیں گے کیا اچھے جہان روتا ہے
 آخری دھند میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی
 بخت سمٹے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زمانہ
 یاں سے رخصت ہو سو کر کہیں لے عیش و نشاط
 کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تھا راولی
 شاعری مرچکی اب زندہ نہ ہوگی یارو
 غالب و شیخ متہ و تیر و آرزوہ و ذوق
 مومن و علوی و صہبائی و ممنون کعبہ
 کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
 دل غم و مہرِ حرم کو سن لو کہ پھر لاش میں

دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
 دیکھ اُس شہر کے کھنڈ روں میں جانا ہرگز
 دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز
 اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
 ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز
 نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
 ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسنا ہرگز
 اُن کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
 بھر کے اک جامِ نہیا سوں کو پلانا ہرگز
 نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
 نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
 ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
 یاد کر کے اُسے جی نہ کرنا صانا ہرگز
 اب دکھائے گایہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
 ور نہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
 نہ مٹے گا کوئی لب لبس کا ترانہ ہرگز

یاں دے چکی جواب اُمید۔ جواب خط
واں نامہ برے بار بھی پایا نہیں ہنوز
پایا ہے ذوق و شوقِ مہم کو بھرا ہوا
کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی تیری یا
بھولے ہیں کہ تجھ کو بھلایا نہیں ہنوز
سرایۂ خلافت دو عالم ہے راز دل
باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز
کس نشہ میں ہے چور خدا جلنے اس قدر

حالی نے جامِ منہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز
عشق بھی تاک میں بیٹھا نظر باز نہ کی
زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی
چاہت اک طلعتِ مکروہ ہے بقیع میں نہاں
ہاتھ ملنے نہ ہوں پیری میں اگر صبر سے
جتنے رستے تھے ترے ہو گئے ویرانِ عشق
کچ سب کو گئے دلی سے تھے قد شناس
تذکرہ دہلی مرحوم کا اسے دستِ چھپر
داستانِ گل کی خزاں میں سنالے بلبُل
ڈھونڈ صلبے دل شوریدہ بہانے مطرب
صحبتیں اگلی۔ معذور ہیں یاد آئیں گی
دوستوں نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
دیکھنا فیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
زردیں تیر صفِ مرغان کی نہ جانا ہرگز
کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
تو جوانی میں نہ یہ روگ لگانا ہرگز
آکے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
قدیاں رہ کے اب اپنی نہ گوانا ہرگز
نہ سنا جانے گا کہ یہ فسانا ہرگز
ہلتے ہنستے ہیں ظالم نہ رانا ہرگز
صدا گینز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
کوئی دلچسپ موقع نہ دکھانا ہرگز

ط

گھر ہے وحشت خیز آبدستی اُجاڑ ہو گئی اک اک گھڑی تجھ بن پہاڑ
 آج تک قصہ رائل ہے ناتمام بندھ چکی ہے بارہا کھل کھل کے پاڑ
 ہے پتو پچنا اپنا پھوٹی تک محال اے طلب بھلا بہت اونچا پہاڑ
 کیلنا آگ ہے ہم کو بھی شکار پر نہیں زاہد کوئی ٹٹی کی آڑ
 دل نہیں روشن تو میں کس کام کے سو بستان میں اگر روشن ہیں جھاڑ
 عید اقد نوروز ہے سب دل کے ساتھ دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اجھاڑ
 کھیت مستی پر ہے اقد بہر و سوار کشت ہے سرسبز اور پچی ہے باڑ
 بات واعظ کی کوئی پکڑ ہی گئی ان دنوں کتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ
 تم نے حالی کھول کر تاق زبان
 کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

حمد وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز عالم مری نظر میں مسایا نہیں ہنوز
 پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز جھوٹکا نسیم مصر کا آیا نہیں ہنوز
 لگ جاتے دل نہ نہزل قصود میں کہیں ہم جس کو ڈھونڈتے ہیں پایا نہیں ہنوز
 آیا نہ ہو گا اس کو تغافل میں کچھ مزا ذوق نگاہ ہم نے بتایا نہیں ہنوز
 امین میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا اُس نے نقاب رخ سے اٹھایا نہیں ہنوز

عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو جس سے ہوں اپنے مواسب بیخبر
 خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جان کھینچ کر لاتے ہیں اُس کو سوسے شر
 بنتے ہیں یاروں کے تاج تاکہ ہو عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہنر
 دوست اک عالم کے پر طلب کے دوست ایسے یاروں سے عند یار و حذر

عیب حالی اپنے یوں کتا ہے کیوں

خواہش تحسین ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قربان کئے بغیر دام اٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کئے بغیر
 گو ہو شفا سے یاس پہ جیتک دم میں دم بن آئے گی نہ درد کا درماں کئے بغیر
 بگڑی ہوئی بستک کچھ اس باغ کی ہوا یہ بلغ کو رہے گی نہ ویلاں کئے بغیر
 آمادہ دہر پرودہ درسی پر ہے قوم کی مبوص کو رہے گا نہ عریاں کئے بغیر
 عزت اپنی یاروں کو کچھ آپری ہے عند چھوڑینگے نیم جان کو بیجاں کئے بغیر
 مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کئے بغیر
 گوئے ہے تند قلع پہ بھاتی ہو دلربا اسے طعن پڑے گی نہ کچھ ہاں کئے بغیر
 تکفیر جو کہ کرتے ہیں بنائے وقت کی پھوڑے گا وقت زمین مسلاں کئے بغیر

حالی کئے گا کٹنے ہی سے یہ بیستوں

حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر



رہزنی کا ہے وہ ہنساؤں پر رہر و باخبر رہو کہ گسار
 مرتے ہیں انہیں اداسوں پر ہے وہ دیر آنا تو عجب کیا
 اڑتے پھرتے بیچ ہواؤں پر اس کے کوچہ میں پڑے بے پر بال
 وقف ہے یا برہنہ پاؤں پر شہسواروں پہ بند ہے جوراہ
 مینہ برستا ہے جو گداؤں پر نہیں منعم کو اس کی بوند نصیب
 زاہدوں پر نہ پار سادوں پر نہیں محدود بخششیں تیری

حق سے درخواست عفو کی جلی

کیجئے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں سو سطح سے جلوہ گر ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
 جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
 دوست دامن کے ہیں زائس کے آستان گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
 فصلیں رو باہ کی رکھتے ہیں ہم گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر و زر
 اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر
 گمراہی پڑتی ہے کسی کی مدح جب کرتے ہیں تفریر اکشر مختصر
 گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم کرتے ہیں رسوا سے دل کھول کر
 کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر
 ایک بخش میں بھلا دیتے ہیں سب ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر

قرب حق کے لئے کچھ سوز نہاں بھی منظور خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد
 میں تو سوا بارطلوں دل نہیں ملتا تم سے تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد
 جال جیتک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا فکر دنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد
 عیب حالی کے بہت آج کئے تو نے بیان
 ذکر کچھ اور کرا ب اس کے سوا اے زاہد

پہاس تیری بچے ساغر سے لذیذ بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ
 جس کا تو قاتل ہو پھر اسکے لئے کوئی نعمت ہے خنجر سے لذیذ
 لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب ہم کو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ
 قن سے شیریں تری پہلی نگاہ دوسری قنہ مکر سے لذیذ
 مجھانچہ میں جس بھوک کی گھٹلے نہ تو بھوک ہے وہ شیر مادر سے لذیذ
 ہے یہ تجھ میں کس کی بواش بھیا بچے بید و مشک و عنبر سے لذیذ
 جو قناعت کے ہیں حالی مہمان
 ان کو نالتے ہیں مرعفہ سے لذیذ

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر وہی اصرار ہے خطاؤں پر
 رہیں نا آشنا زمانہ سے حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر

وہ ڈوبتوں سے الگ بہتے ہیں جہیں تیلک ۲ شنوری کا یہی گروہ ہے مرجائے شیخ
گوذن و گورہیں بچپن سے تارک دنیا نہایت آپ کی ہے انکی ابتدا اسے شیخ
کما حقہ عقیدت سے آیا تھا حالی پہ خاتما سے افسردہ دل گیا ہے شیخ

و

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد اب خوف کے سوا ہے دھڑکیا رجا کے بعد
ہے سامنا بلا کاپس از عافیت ضرور ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد
تغزیر مجرم عشق ہے بے صرف محاسب بڑھتا ہے اند ذوق گنہیاں سزا کے بعد
گرد و دل سے پائی بھی لے چارہ گر شفا آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
یا دودلیس جب نہ گئی دل سے اسکی یاد آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
کرتے ہے خطائیں ندامت کے بعد ہم ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
آخر کو ماننا چڑا اے نفس خیر و سر تیرا بھی حکم کم نہیں حکم قضا کے بعد
میت سے بھی دُعا کہ ہوں بدنام شہر بامے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لاؤ صدائیں جگہ خراش

دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہے رجا لے زاہد تیرا قبلہ ہے نبد امیر اجدائے زاہد
درگاہ گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے تو ترا خدا کوئی ہو گا خدا لے زاہد
ہم دکھا دیئے کہ نہ ہوا ہے نیکی کچھ اور کچھ بہت دور نہیں روز جزا لے زاہد

آس کھیتی کے پینے کی انہیں ہو یاد ہو
 ہیں اُسے پانی دیئے جاتے کسانوں کی طرح
 اُن کے غصے میں ہے دلسوزی طامت میں ہے پیار
 مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح
 کام سے کام اپنے اُن کو۔ گو ہو عالم نکتہ چین
 بہتے ہیں بتیں دانتوں میں زبانوں کی طرح
 طعن سن سن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
 دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح
 کیجیے کیا حالی۔ نہ کیجیے سادگی گر اختیار
 بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مئے مغال کا ہے چکا اگر بڑا لہجہ شیخ
 تو ایسی ہی کوئی بچاٹ اورے لگا لہجہ شیخ
 ریا کو صدق سے ہے جام مے بدل دیتا
 تمہیں بھی ہے کوئی یاد ایسی کمیالے شیخ
 وہ بکھے بجان متی جو بناتے تھے اکیر
 تماشے دیکھتے ہیں یہ ہم نے بارہا لے شیخ
 غزوہ فقر و غرور غنائیں فرق ہے کیا
 تجھی پر رکھتے ہیں ہم منحصر تالے شیخ
 زبان پر ہوتی ہے مہران کی جو ہیں محم را
 پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ اٹھا اے شیخ
 ٹبر بھی ہے تمہیں کیا بن رہی ہی ٹبرے پر قطع
 ہیں آپ جو نہ ہی ٹبرے کے تالے لے شیخ

گو کہ حالی نگاہ استادوں کے آگے پہنچ ہے
کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار بیچ

ج

کاٹیئے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
جو بسا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
منزل دُنیا میں ہیں پادر رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہاں سرا میں میہانوں کی طرح
سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھپٹتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
شادمانی پر گزرتے اپنے آپ سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
رکتے ہیں تمکین جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چو نچال پیری میں جانوں کی طرح
پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں ایک ایک کا یگانوں کی طرح

بیچ

بزم نے اچھی ہے۔ گو دنیا ہے اسے میخواری بیچ
 یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھریار بیچ
 نفس سے سر بر ہوئی دانش نہ صبر و عقل نہ ہوش
 ایک دشمن بر سر کیں ہو تو ہیں سب یار بیچ
 شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز
 ہے یہ سب اپنی دکان اور رونق بازار بیچ
 شاہد معنی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں
 سجدہ و سجادہ بیچ اور جتہ و دستار بیچ
 ہو کر جتے جس قدر اتنے ہرستے تم نہیں
 اے فصیحو ہے یہ سب گفتا رہے کردار بیچ
 روئی تو آٹھ آٹھ آنسو اور سیجا دل نہ ایک
 بھلے موتی تیرے سب اے چشم گوہر بار بیچ
 خزانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار
 کر دیئے آفاق کے سب خوان و خوان سالار بیچ
 ہے ادبِ سند پہ جو کچھ ہے رئیسِ شہر کا
 ہٹ کے سند سے جو خود دیکھیں تو ہیں کار بیچ

چُپ پر اپنی بھرم۔ نئے کیا کیا کچھ بات بگڑی بنی بسائی آج
 شکوہ کرنے کی خونِ تھی اپنی پر طبیعت ہی کچھ بھرائی آج
 بزمِ ساقی نے دبی اُٹ ساسی خوب بھر بھر کے خمِ نِٹھالی آج
 معصیت پہنے دیر سے یارب قطعِ نفسِ افسرِخ میں لڑائی آج
 غالب آتا ہے نفسِ دوں یا شرع ۲ دیکھنی ہے تیری خدائی آج
 چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو نین۔ پھر رات بھر نہ آئی آج
 کل یہاں کاروبار میں سب بند کر لو کرنی ہے جو کسائی آج
 زعمے الفت کی بچکے چلنا تھا

مُفتِ حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوران کے ہیں سب شکوہ سنج یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج
 رنج و شادی یاں کے ہیں سب بے ثبات اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
 تھا تناہت میں نہاں گنج فراغ پر ہیں بیوقت ہاتھ آیا یہ رنج
 فکر و سن پڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے ہنچ
 ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلِ رنج
 آگئی مرگِ طبعی ہم کو یاد شاخ سے دیکھا جو خود گرتا تر بج

راہ اب سیدھی ہے حالی سوے دوست

ہو چکے طے سب خم و بیج و شکنج

ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ کریں میراث سے حذر وارث
 خاک و کرمان گور و غیش و قبلہ ایک میت اور اس قدر وارث
 واعظ و دین کا خداحافظ انبیاء کے ہو تم اگر وارث
 قوم بے پرہیز و بیکس ہے گئے اسلام کے کدھوارث
 ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھو کر حلیف جیسے مردہ کے مال پر وارث
 ترک چھوڑا ہے کچھ اگر حالی

کیوں ہیں میت پہ نوحہ گوارث

بھی۔ واعظ اپنا کھلویا عبث دل جلوں کو تو نے گرمایا عبث
 جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی رات بھریاروں کو چوپایا عبث
 شیخ دندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث
 کوئی پنچھی آگے اب پھنستا نہیں اپنے جال اپنا پھیلایا عبث
 آنکھلتے تھے کبھی مسجد میں ہم تو نے زاہد ہم کو شرایا عبث
 کھیتیاں جگر ہوئیں یا دفنی خاک اب رہے گھر کرادھرایا عبث
 قوم کا حالی پتہ ہے محال
 تم نے رور و رب کو رولایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج بول کر ہم نے منہ کی کھائی آج

بجھ کر کر و متسل حالی کو دیکھو
مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اُچاٹ دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ
پہنچ رہی ہے کان میں یاں سہمی اور مغنی نے کئی بدلے ہیں بٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت اور دریا کا بہت چمکا ہے پاٹ
اک کہانی پیر زن کی رہ گئی راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ
دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں ہے مگیاں جی کچھ لے زاہد اچاٹ
جو کئے تھک کو بنا دیں اسے امیر ہیں بہت سرکار کی محفل میں بجاٹ
لمتیں رستوں کے ہیں سب بیہوش سب جازمں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
تج میں ہر شے یہ اسے حالی نہیں جس قدر تیری زبان کرتی ہے کاٹ
چنگیاں ہی دل میں یہ لیتا ہے کون شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے پاٹ

ث

باپ کا ہے بھی پس و ارث ہو ہنر کا بھی اُس کے گوارث
گھر ہنر و رکا نا خلف نے لیا تیرا ہے کون اسے ہنر وارث
فاتح ہو کہاں سے میت کی لے گئے ڈھوکے سے دزد وارث

اپنی جیبوں میں سائے نمازی ہشیار
 دیکھئے شیخ مصور سے کچھے یا نہ کچھے
 واعظ و آتش و ذرخ سے جہاں کو تم نے
 کیا خبر زاہد قانع کو کیا چیز ہے حرص
 میں بچا تیر حواض سے نشاۃ بن کر
 شوق میں اُس کے مزا۔ درو میں اُس کے لذت
 حملہ اپنے پہ بھی اک بور ہزیمت ہے ضرور
 رہنماؤں کے ہوجئے جاتے ہیں اوسان خطا
 یوں تو آیلے تباہی میں یہ بیڑا سوار
 اک بزدگ آتے ہیں جس میں خطر کی صورت
 صورت۔ اور آپ بے عیب بشر کی صورت
 یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت
 اُس نے دیکھی ہی نہیں کیونکہ زر کی صورت
 آڑے آئی رہے۔ تسلیم سپر کی صورت
 ناھمو اس سے نہیں کیٹی مفر کی صورت
 رہ گئی ہے ہی اک فتح و طفر کی صورت
 راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
 پر ڈرانی ہے بہت آج بھنور کی صورت

اُن کو حالی بھی بُلّاتے ہیں گھر اپنے مہمان
 دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت
 جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بیکل
 شب و عدہ ہے بارعام اُن کے دل پہ
 غم نے رسوا کیا ہم کو آخر
 ہے اس ریش پر و سم کیا خوب کھلتا
 یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھ میں مرنا
 بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت
 وہ ہے اور ہی مہربانی کی صورت
 مرے حق میں اک پاسبانی کی صورت
 بنائی بہت شادمانی کی صورت
 ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
 یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

ت

گوجوانی میں تھی کج برائی بہت پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت
 زیرِ برق تو نے کیا دکھ لادیا جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت
 ہٹ پہ اس کی اور پس جاتے ہیں دل اس ہے کچھ اُس کو خود رائی بہت
 سرویا گل آنکھ میں جھپٹے نہیں دل پہ ہے نقشِ اسکی رعنائی بہت
 چور تھا زخموں میں اور کتا تھا خورِ راحت اس تکلیف میں پائی بہت
 آرہی ہے چاہِ یوسف سے صدا دوست یاں مقوڑے ہیں انسِ بھائی بہت
 وصل کے ہو ہو کے سامان رہ گئے مینہ نہ برسا اور گھسٹا اچھائی بہت
 جان نثاری پر وہ بول اٹھے مری پس فدائی کم تماشائی بہت
 ہم نے ہر ادنے کو اعلیٰ کر دیا خاکساری اپنی کام آئی بہت
 کر دیا چُپ واقعات دہرنے تھی کبھی، ہم میں بھی گویائی بہت
 گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی؛ یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت
 ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چُپ رہو
 راست گوئی میں بے رسوائی بہت

اُس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ دسکی صورت
 کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل کل نہ پہچان سکے گی محلِ تر کی صورت
 بے غم روزِ جدائی نہ نشا و شب وصل ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

جس دل کو قیدِ مہرِ دُنیا سے ننگ تھا وہ دل اسیرِ حلقہٴ زلفِ بتان ہے اب
 آئے لگا جب اُس کی تمنا میں کچھ نہ آکتے ہیں لگ جان کا اسمیں لیاں ہے اب
 لغزش نہ ہو۔ بلا ہے حسینوں کا تفتان اے دل بے صلہ دشمنِ دین مہربان ہے اب
 اک جرمِ شراب نے سب کچھ بھلا دیا ہم ہیں اور آستانِ پیرِ مغان ہے اب
 بے وقت نزع اور وہ آیا نہیں ہنوز ہاں جذبِ دل مددِ کرمِ ستیاں ہے اب
 ہے دل غمِ جہان سے بکدوش اندوں سر پر تا سو بھٹا کوئی بارگراں ہے اب

حالی تم اور ملازمتِ پیرِ مے فروش
 وہ علم و دین کدھر ہے وہ تقویٰ کہاں اب

یہ ہیں واعظ۔ سب پہ منہ آتے ہیں آپ ناصح قوم اس پہ کھلاتے ہیں آپ
 بس بہت طعن و ملامت کر چکے کیوں زبانِ رندوں کی کھلے ہیں آپ
 ہے صراحی میں وہی لذت کہ جو چڑھ کے ممبر پر پڑ پاتے ہیں آپ
 واعظ ہے اُن کو خرمانا گناہ جو گنہ سے اپنے شرارتے ہیں آپ
 کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں؟ اس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ
 کرتے ہیں آبادِ دوزخ کو حضورِ خلد کو ویران کر داتے ہیں آپ
 چھپر کر واعظ کو حالی خلد سے
 بسترِ کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

ہر سمت گروناظر میلے بلندہئے پہنچے جو حوصلہ ہو کسی شنسوار کا
 غربت کے مشغلوں نے وطن کو بھلا دیا خانہ خراب خاطر اُلفت شعار کا
 حالی بس اب یقین ہے دلی کے ہوئے
 ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

ب

درد دل کو دوسے کیا مطلب کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
 چشمہ زندگی ہے ذکر جمیل خضر آب بقا سے کیا مطلب
 بادشاہی ہے نفس کی تسخیر نفلِ بالِ ہما سے کیا مطلب
 جو کر سیکے بھر سینگے خود - و عطا تم کو میری خطا سے کیا مطلب
 جن کے معبود حور و غلمان ہیں ان کو زاہد فایہ سے کیا مطلب
 کام ہے مردی سے انسان کی قطع زہد یا اتقا سے کیا مطلب
 ہے اگر رند دامن آلودہ ۲ ہم کو چوں و چرا سے کیا مطلب
 صوفی شہر با صفا ہے اگر ۳ ہماری نکلا سے کیا مطلب
 نگہ بست سے پہنچش ہیں جو حالی
 اُن کو درد و صفا سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تاب ضبطِ شکایت کہاں ہے اب چھڑو تم کہ میر بھی تمہیں زبان ہے اب
 وہ دن گئے کہ حوصلہ ضبطِ راز تھا چکے سے لپٹے شورشِ نہان عیاں ہے اب

دکھانا پڑے گل مجھے زخمِ دل اگر تیرا بس کا قحط ہو گیا
 سبب ہو نہ ہول پہ اتنا ضرر مرا شکر اس کا گلہ ہو گیا
 وہ اُمید کیا جس کی ہوا نہ تھا وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
 ہوا رکتے رکتے دمِ آخر فنا مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
 نہیں بھولنا اُنکی نصرت کا وقت وہ دور کے یسنا بلا ہو گیا
 سماں کل کارہ رہ کے آگے یاد ابھی کیا تھا اور کیا ہے کیا ہو گیا
 سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
 نہ دے میری امید مجھ کو جواب رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

میکتا ہے اشعارِ حالی سے حال

کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سب گراں ہے راہ میں تمکیں یا رکا اب دیکھنا ہے زورِ دل بے قرار کا
 اک خوشی ہو گئی ہے تحمل کی مذہب وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا
 آؤ بیٹا بھی دو غلش آرزو سے قتل کیا اعتبار زندگی مستعار کا
 ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو ملتا نہیں محلِ گلہ روزگار کا
 سمجھو مجھے اگر تمہیں ہے آدمی کی قدر میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
 گر صبح تک وفا نہ ہو وعدہ وصال سن لیں گے وہ مالِ شب انتظار کا
 اب محوِ بوسے گل پہ ہوا کب دل حزیں ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا

اُس سے ناکام ہی بن کر بیٹھے کچھ اجارا نہیں دہائی کا
 سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
 درمیان پائے نظر ہے جب تک ہم کو دعویٰ نہیں بیٹائی کا
 کچھ تو ہے قدر تماشائی کی ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
 اُس کو چھوڑا ہے لیکن اسے غل جھکوڑ ہے تری خود راہ کا
 بزم دشمن میں نہ جی سے اُترا پوچھنا کیا تری زیبائی کا
 یہی انجام تھا اے فصلِ خرماں؟ گلِ دیبل کی شناسائی کا
 مدد سے جذبہ توفیق کہیاں ہو چکا کام لواتائی کا
 محتبِ عذر بہت ہیں لیکن اذن ہم کو نہیں گویائی کا
 ہوں گے حالی سے بہت آوارہ

گھر ابھی دُور ہے رسوائی کا

ق

اغماض چلتے وقت مروت سے دُور تھا رور کے ہم کو اور رولانا ضرور تھا
 مٹی بہرِ نظر نہ محرمِ دیدار و نہ دیاں ہر خارِ غلِ اُپمن دہر سنگِ طور تھا
 دردِ اکِ لب پہ مارِ زولِ آیانہ تھا منور چرچا ہمارے عشق کا نزدیک دُور تھا
 جانی نہ قدرِ محبت تھا پارسا نے کچھ ٹھہرا قصور وار اگر بے قصور تھا
 دردی کشانِ جرمِ مخانِ گناہ پوچھ حال ایک ایک رندِ نشہ موصدقِ چور تھا
 اب بیلِ دیابِ انجمنِ عام بھی نہیں وہ دل کہ خاصِ محرمِ بزمِ حضور تھا

کل حالی دید نہ کہتا تھا کچھ افسانہ
سُنتے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

ق پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا
تھا حسن میزبان کوئی میمان نہ تھا
ہم کو ہمارے بھی سرگستان نہ تھا
یعنی غزال سے پہلے ہی دل شاعرانہ تھا
ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کیسی آسمان نہ تھا
کیا جلتے تھے جائے گاجی اُن نگاہ میں
تھی دل کی احتیاط مگر بیم جان نہ تھا
بچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے
تھا دل کو جب فراق کہ وہ مہمان نہ تھا
کچھ میری بخودی سے تمہارا زیاں نہیں
تم جاننا کہ بدم میں اُن خسہ جہان نہ تھا
رات اُن کو بات بات پہ سوسوئیے جواب
جھکو خود اپنی ذات سے ایسا گلخان نہ تھا
سوئے یہ کہ آپ بھی منستے تھے دہ پاں
طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گران نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اُن دل میں جھگڑی
مانا کاس کے ہاتھ میں تیر و سنان نہ تھا

بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار

شب انجمن میں حالی جاو و بیان نہ تھا

ن رنج اور رنج بھی تنہائی کا
وقت پہنچا مری رسوائی کا
عمر شاید نہ کرے آج دنا
کا ثنا ہے شب تنہائی کا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بلا
کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
ایک دن راہ پہ جا پونچھے ہم
شوق تھا باد یہ پیائی کا

راحت کا جہان میں یونہی اُن کا نام ہے گویا
 کچھ کرتے ہیں جویاں وہی بگشت نمایاں
 بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا
 ناچیز ہیں وہ کام نہیں جن پہ کچھ الزام
 جو کام ہیں اُن کا یہی العام ہے گویا
 ہے وقت ریل اور وہی عشرت کے ہیں سالان
 آخر ہوئی رات اور ابھی یاں شام اُسے گویا
 اٹھا تھا کچھ اوّل ہی سے درد بڑی طرح
 آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا
 اسلام کا ادب ابھی اک نام ہے گویا
 ادب ابھی دیکھو گئے جہاں پاؤ گئے سلام

جب دیکھئے حالی کو بڑا پایئے بریکار
 کرنا اُسے باقی ہی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گرد و صفا ہوتا
 تھا آفت جاں اس کا انداز کما ندری
 ق تو سب میں ملا ہوتا اور سب سے جدا ہوتا
 ہم نجان کے کہاں جلتے گریز خطا ہوتا
 میری طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
 ان پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
 گردل میں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا
 رونا تھا بہت ہم کو روتے بھی تو کیا ہوتا
 تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
 کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
 گر آج نہ تم آتے کیا جانے کب ہوتا

ق

ہم روز و رات اُس سے ہنس نہیں گئے نہ نصرت
 گر صاحب دل ہوتے سن کر مری بیتابی
 جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح
 جو جان و گردن سے وہ چاہے سو کر گندے

ان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے اک بزرگ دین کو ہم جھٹلائیں گے
 ہو چکے حلی غزل خوانی کے دن
 راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
 کر دیا اُس نے تو اللہ سے غافل نا صبح!
 چپ چاپ تے اُسے دے اُنہی دل اک بات پیہم
 شب کو زاہد سے نہ مٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
 دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہے
 نامہ بر آج بھی خط لے کے نہ آیا یارو
 عشق اُس وقت سے سر پر تیرے منڈلاتا تھا
 لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیا ہے وہ
 بارہا دیکھ چئے تیرے فریب اے دنیا
 کرتے کیا پیتے اگر مے و عشا سے تا صبح
 دل نہ طاعت میں لگا جب نہ لگایا غم عشق
 اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
 عشق سُنتے تھے جسے ہم وہ بھی ہر شاید
 اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی
 اک چراغ اور سہراہ جلا یا جاتا
 اُس کو کیوں بھولتے گراں جھلایا جاتا
 مال منگا نظر آتا تو چکایا جاتا
 نشہ نعل پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
 چینی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا
 تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا
 گودیوں میں تجھے تھا جبکہ کھلایا جاتا
 اُس کی صورت سے تو ایسا اندیشہ پایا جاتا
 ہم سے اب جانکے دھوکا نہیں کھایا جاتا
 وقت فرصت کا یہ کس طرح گزرایا جاتا
 کسی دھند میں تو آخر یہ لگایا جاتا
 بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا
 خود بخود دل میں ہے بک شبنم سما یا جاتا
 کتے پہلے سے تو وے لیکے ہٹایا جاتا

واعظ آتا ہے تو آنے دو اسے ۱ قطعہ پر حرا آنے کا یاں کیلئے گا
 آئے گا افسوس کو شرمناک گرفت ۲ افسوس و شرمندہ ہو کر جلے گا
 عیب سے خالی نہ واعظ ہے دہم ۳ ہم پہ منہ آئیگا منہ کی کھائے گا
 دل کے تیور ہی ہو دیتے قیصر صاف رنگ یہ دیوانہ اک دن لئے گا
 بارغ و محراب میں ہے جو تنگ دل جی نفس میں اس کا کیا گھبرائے گا
 رنگ گردوں کلے کچھ بدلا ہوا قطعہ شعبہ تازہ کوئی دکھلائے گا
 ابرو برق آئے ہیں تو ساتھ ساتھ ۲ دیکھئے برسے گایا برائے گا

مشکلوں کی جس کو ہے حالی خبر

مشکلیں آسان وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لے کر جائیں کیا منہ اُسے ہم جا کے دیکھلائیں کیا
 دل میں باقی ہے وہی حرم گناہ پھر کسے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا
 آؤ اس کو لیں ہمیں جا کر سنا اس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
 دل کو سمجھئے نہ مند سہی انس ایسے وحشی کو کہیں بھلائیں کیا
 جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو کھیل قدس کے تجھے دکھلائیں کیا
 عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی مرے اپنے دیکھئے پیش آئیں کیا
 دل کی سب باتوں کی ہر طرح خبر سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ۲ بس اب دُنیا کو ٹھکرا نا پڑے گا
 نہیں بوائس کی اس غمگینوں میں ۲ کہیں دل جاگے بھلا نا پڑے گا
 دل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمنا پڑے گا
 زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو بچھتا نا پڑے گا
 جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا
 بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جیتک

اُسے دُنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
 عزیز و کماں تک یہ آتش مزاجی تمہیں جلد ترخان تو نا پڑے گا
 رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کا بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑے گا
 بن آئیں گے ہرگز نہ یاں کچھ کہنے بن جو کچھ کا نہا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سب سے جوانی نہیں حالی

مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک لے ابیر کرم ترسائے گا میں بھی رحمت کا بھی برسائے گا
 پھل کچھ لے نخلِ وفا تجھ میں نہیں جو لگائے گا تجھے بھٹائے گا
 دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
 فوق سجاتے ہے جز ذوقِ درد اک یہ لپکا دیکھے کب جائے گا

حق نے احسان میں نہ کی اور میں نے کفران میں کی
چوریوں سے دیدہ و دل کی شراب یا کبھی
طاغوتوں کی زد سے بچ کر چلا رہا تھا
نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی
منہ نہ دیکھیں دست پھر میرا اگر جائیں گے میں
تھانہ استحقاق تحسین پر سنی تحسین سدا
شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی افان میں
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
چپکے چپکے نفس خائن کا کما کرتا رہا
واراں کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا
اس کو حیلے دل سے گھر گھر کر دیا کرتا رہا
اُن سے کیا کرتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
حق ہے جو دونوں ہمیں کا وہ ادا کرتا رہا
کی نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تیرے اے حالی مگر
نفس پر اپنے صدا ظالم جفا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱
نہ ہو صوفی صفا کو تجھ میں لیکن ۲
نصیحت بے اثر ہے گرنہ ہو درد
جنہیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا
عوام الناس کا ہو گا جنہیں منہ
ہے وصفِ جناں کی مشقِ دعا
سخن میں پیروی کی اگر سلف کی
تعلق کہے پھندا بیچ ہو بیچ
کہیں کشف اپنا جتنا پڑے گا
کرشمہ کوئی دکھلا نا پڑے گا
یہ گڑنا صبح کو بتلا نا پڑے گا
انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا
انہیں خاصوں پہنہ آنا پڑے گا
تمہیں بچوں کو پھسلانا پڑے گا
انہیں باتوں کو دہرا نا پڑے گا
یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا

بیگانہ دوش ہے گروہ تو ہے ہمارے ڈھب کا ایسول ہی سے بنلے یا راہ اکثر اپنا
عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک حضرت بنا
کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نہ ہے یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیر دل کو لیس گے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہے حالی کچھ دل مکر اپنا

معنی کا تم نے حالی دیا اگر بسایا یہ تو بتاؤ حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگِ طبل شاہی دن ہو گیا جب آخر خوابِ گراں سے نونے ناحق ہمیں جگایا
تھا ہوش یا دگل کا دورِ خزاں میں کس کو لے عن لبِ نالوں یہ تو نے گل کھلایا
دیران ہے باغِ تسپر پھولی نہیں سہاتی خردہ صبا نے یارب بلبل کو کیا سُنیا
اے عشقِ دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دین کا گم رہی بگاڑو! تو نے بسا بنایا
دُرتے رہیں گے اب ہم بے جرم بھی سزا سے ارمان اس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا
واعظ کی محبتوں سے قائل تو ہو گئے ہم کوئی جوابِ شانی پر اس سے بن نہ آیا
آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدمِ خزاں کا دو دوں میں یوں پلٹ دی کس نے چمن کی گلیا
تقلیدِ قوم ہی پر گرے مارِ تحسین تو ہم نے دوستوں کی تحسین باندھ بٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالی چھانپانی

جو جو گمان تھے ہم کو انکا نشان نہ پایا

نفسِ دعویٰ بے گناہی کا سدا کوارا گرچہ اترے جی سے دل اکثر ابا کرتارا

ہوا لاکھ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جاننا اس کو غیر ہرگز
 جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجئے گا
 سنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دھوکے
 یہ کہہ دو۔ دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے گا
 ایسی میں ہے غیر حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو
 کرے وہ یاد۔ اس کی بھول کو بھی کبھی تمنا نہ کیجئے گا
 کہے اگر کوئی تم کو واعظ اکہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
 زمانہ کی خوبے نکتہ چینی کچھ اس کی پرواہ نہ کیجئے گا
 کمال ہے جتنے بے کمالی۔ نہیں ملاپ ان میں حرف کیڑا
 جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجئے گا تو آپ۔ حجاب نہ کیجئے گا
 لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ درد الفت کی آگ زاہد
 پھر اور کیا کیجئے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجئے گا
 تمہارا اتحاد دست۔ ارحالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
 سلوک اس سے کہتے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا کیجئے گا
 ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا
 قید خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم
 پیر مغان سے ہو کر تب سرخرو ملیں گے
 فضل دہنر کا ہو گا جب چاک محضر اپنا
 آتے دوسری سے ہم کو نظر گھر اپنا
 دشت رہے گی دل کی دکھلا کے جہل اپنا

رستے میں گرنے ٹھہرے تو تم بھی جا لو گے گنہگار ابھی ہے یاں سے خیل و شرم تمہارا
 پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم گم ہے تمہیں میں یا بلوغ ارم تمہارا
 جا دور قلم تو مائیں ہم دل سے تم کو حالی
 کچھ کر کے بھی دکھائے زور قلم تمہارا

وہ دل ہے شگفتہ ندوہ باز وہیں تو انا پونچا ہے بس اب کوچ کا تم سمجھو زما نا
 خود مہر وطن سے ہے دل اب کے سفر میں جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
 دلی سے نکلتے ہی ہوا جینے کی دل سیر گویا نہ رہا اب کہیں دُنیا میں ٹھکانا
 یا سب طلبِ وصل ہو یا ہو طربِ وصل جس دن کہ یہ دونوں ہوں دن نہ دکھانا
 دنیا کی حقیقت نہیں جو حسرت و حواں چھل بل میں تم اس ال فسونگر کی نہ آنا
 افسوس کہ غفلت میں کٹا غمِ جوانی تھا آبِ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ مانا
 یا ر وہی کو ہمیں دیکھ کے عبرتِ مینجِ تی اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سُنانا
 دُنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن وہ دن کہ جسدِ نر سے چھوڑ کے جانا
 لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت فرمایا خبر دار کہ نازک ہے زما نا

دُعا رس ہی کچھ اے ہم قدم تو تم سے بندھی ہے

حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجئے گا

یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچانہ کیجئے گا

لائق نے ہمیشہ لی نعمت پر خبریاں جب ناؤ ڈلگائی پاس آگیا کنار
 انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے جتنے ہنرتھے اپنے عالم میں آشکار
 افسوس۔ اہل دیں بھی مانن۔ اہل دنیا خود کام و خود نما ہیں خود میں پادِ خود آرا
 اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر اسلام ہے فقیہو! ممنوں بہت تمہارا
 کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چینی چپ سب کچھ کہا انہوں نے پر ہم نے دم نہ مارا
 حالی سے کام ہے یاں فعلوں سے اُسکے کیا کام

اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یا رہے ہمارا

رونا نہ ہوگا حالی شاید یہ کم تمہارا جب دیکھو آنسوؤں کا من ہے غم تمہارا
 اُلفت میں دم بدم کچھ لذت ہے، بڑھتی جاتی چھوڑ گیا کھاکے شاید عاشق کو غم تمہارا
 عاقل ہیں شہر میں کم نادان بہت ہیں واعظ ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمہارا
 دلجو نہیں کوئی یاں حیف اے عنم پرستو دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمہارا
 گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم اپنی نظر میں ہوگا گردن کم تمہارا
 دشتِ طلب کے رستو طے ہو گئے کس طرح تم آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمہارا
 دو بیواؤں کو بھی کچھ حجم کے جانشینو بس جاؤں جم ہمارا اور ملاک بتم تمہارا
 روسی ہوں یا تارسی ہم کو تائیں گے کیا دیکھا ہے ہم نے برسوں لطف و کرم تمہارا
 کھولی ہیں تم نے آنکھیں اے حادثہ ہمارا احسان یہ نہ ہرگز بھولیں گے ہم تمہارا
 ہوتے ہی تم کو پیدل کچھ روئیئے سوارو ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمہارا

رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
 کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ
 جس رہ گند میں بیٹھا تو غول راہ بن کر
 فریاد کو کہن کی لی تو نے جان شیریں
 یعقوبؑ بشر کو دی تو نے ناصبوری
 لاگ اور لگاؤ دونوں دگنڈا تیرے
 عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جمانی
 علم و ادب رہے ہیں و بے ترے ہمیشہ
 انسانہ تیرا رنگیں روداد تیری نکشش
 گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھلے چھوڑا
 جو گنج تو نے تاکا اس کو لٹا کے چھوڑا
 صنم خان سے راست رو کو رستہ بھلا چھوڑا
 اوقیں عالمی کو مجنوں بنا کے چھوڑا
 یوسفؑ پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا
 پتھر کے دل تھی جن کے ان کو رلا کے چھوڑا
 عقل و خرد کا تو نے خاک اڑا کے چھوڑا
 ہر معرکہ میں تو نے ان کو ڈلا کے چھوڑا
 شعرو سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا

اُس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے اُمید کیجو ہم سے نہ تو کسلا
 تیرا ہی رہ گیا ہے لے جس کے اک سہارا
 یوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے
 اے آسمان کچھ اس میں تیرا بھی ہے شہارا
 میخانہ کی خرابی جی دیکھ کر بھبرا
 مدت کے بعد کل داں جانے لگے تھے قضا
 اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے
 اے زاہد و تمہارا ہے اس میں کیا اجارا
 دُنیا کے خوضوں سے چھ لٹے تھے ہم اول
 آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

لے دانا۔ کشتی دانا۔ یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کشتی کا لفظ مذکر کے صرف دلانا بولتے ہیں +۱۲

دیر ہوئے پھر غ اور صلوات یہود
 بچ گئے آشکارے بیٹھ گئے بتکدے
 ٹرک ہوا مضمحل اور کمانت ہنسبا
 ہو گئے تھلیلٹ مات اور ثنویت فنا
 مزید چن روز باقی ہے نشو و نما
 مل گئے اٹھ اٹھ گئے سب خاک میں اہل ہوا
 غیر حق نے مگر جلد لیا انتقام
 ربکیا نام سچ کذب میں ضرب لٹل
 اسود و ابن کثیر خوار ہوئے بر ملا
 سلسلہ انبیاء ختم نہ ہوتا۔ اگر
 حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اٹھا
 آتے ہی جشمہ دیا تو نے کنوئیں سے کمال
 بس نہ رہا اشتباہ اب حق بطل میں کچھ
 جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
 بیچ چکا تیرے ہاتھ ملت بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام رب مملو ہے

روز و شب و صبح و شام قدم مال دھوئے

لے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھلے چھوڑا
 جس گھر سے سرٹھایا اُس کو بٹھلے چھوڑا
 ابراہیمؑ سے ترساں احرا تجھ سے لڑا
 جو ند پہ تیری آیا اُس کو گرا کے چھوڑا

۱۰ دیر۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا رہا غبا سنا چیز ۱۱

۱۲ مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو ملتے ہیں۔

۱۳ اس عقیدے کو ثنویت کہتے ہیں

۱۴ سچا۔ ایک حدیث مدعی نبوت کا نام ہے۔ جب کہ کذب عرب میں ضرب لٹل ہے چنانچہ کہتے ہیں ہوا کذاب
 میں سچا ہے اور اسود غنی افسانہ کی کنیت ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت تھے۔ جو آخر کار قتل کئے گئے۔

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القوالے
تجسس ہوئی زندہ خلق جیسے کہ بارگاہِ سماں
فیک دلیل علی انک خیر الوداع
خلقک خصب الزمان بعشک تحیا الوداع
دھوے روشن ترا ثابت بے مینہ
قال ترا اور حال نشہ و صدمت میں چہ
غیب بھیجا تجھے ٹاپتا پھرتا تعجب
اُمٹا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
شان رسالت کی تھی تیری جیسے عیاں
گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
دوڑ پڑے سچے حق کا سب بیڑیاں
راہب و قیس و جبرہ گئے دل تمام کر
خاک تھی جس ملک کی مزبوع و فساد
تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
پھوٹ گئے تھے سلف کام اوھو کبریت
تو نے کیا ترحق عارف و عامی پہ فاش
چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
محبت حق کر چکا دین ترا جب تمام

صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گلا
اوڑھنا تیرا خدا اوڑھ چھونا خدا
دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما
جیسے کہ ہنگامِ تخط قبلہ سے اُٹھے گھٹا
گود سے دایہ ابھی کرنے چکی تھی جُدا
گلہ آدم تجھے سو نہ چکی تھی قصفا
اُمیتوں کے جب پڑی کان میں تیری سلا
دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیا
تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا
جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا
تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا
ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا
پھر نہ کسی دین کا رنگ جہان میں جما

ہے سدا نامراد جویاں اُنہیں اُمید وار دیکھا
 بچہ جہان سوز تیرا دیکھا نظارہ افروز جس چہن میں
 نہ بلبل و گل میں وان تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا
 سو محل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں ڈٹے
 نہ محل آیا نظر نہ ناقہ نقطہ کچھ اٹھتا غبار دیکھا
 جولاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قسمتِ بھیہ تیرا
 بلا نہ کھوج اُس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈھا ہزار دیکھا
 لگن میں تیری بکھل گئے جو نہ مجھ کے دریا ئے پڑ خطر سے
 گئے وہ کوہِ دانکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا
 بچے ہوئے گا ہ شولیاں کی وہی ہیں جو تیرے ہوئے ہیں
 وگر نہ زخموں سے مادٹوں کے ہر ایک سینہ زگار دیکھا
 چمن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی اغدا تیرے
 گل اُن کی نظروں میں چھپے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں غار دیکھا
 خبر نہیں یہ کہ کیا ہے۔ کیسا ہے۔ کون ہے۔ اور تو کہاں
 یہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علاقہ اک استوار دیکھا
 سلوک ہیں تیرے سب کے یکساں وہ گہر ترسا ہوں باسما
 نہ اُن سے کچھ تیرا نیز پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا

ہر بول تیرا بول سے فکر کے گزرتا ہے
کچھ رنگ بیان حالی ہے سب سے جلد تیرا

کمال ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا باقی ہے جو بدلتا ہے وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو ہمت ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا
کاوش میں ہے اگلی دگدا میں ہے طبعی جو مل ہوا نہ ہو گادہ ہے حوال تیرا
چھوٹے ہوئے ہیں گوجی پر دل بند ہوئے ہیں ملنے سے بھی سوا ہے چھٹا حال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یاں ملتا ہے ہیں لیکن ٹلانہ ہرگز دل سے خیال تیرا
چھٹکے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی پھیلا ہوا ہے ہر سوا عالم میں حال تیرا
ان کی نظر میں شوکتِ حجتی نہیں کسی کی آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا
دل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھے دل ہے سو چیز تیری جان ہے حوال تیرا
ہے پور نال سے دل اس کا قوی زیادہ رکھتی ہے آسرا یاں جو پیراں تیرا
ہے پاس دستوں کے تیری ہی نشانی یارب کبھی نہ پائے زخم اند مال تیرا
بیگانگی میں حالی - یہ رنگ آشنائی

سُن سُن کے سر و مہنین کے قالِ اہل حال تیرا

ربط میں دشتِ جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا

نداس سفر میں مکان دیکھی نہ اس نشے میں خمار دیکھا

نبی رکھائی سے تیری چھوٹے نبے نیازی سے آس لپٹے

غزلیات قدیم و جدید

چونکہ جتنی ہی روایتیں قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں۔ اس لئے ہر ایک رطیف میں نون غم کی غزلیں بلا جلا کر کھ دی گئی ہیں۔ اور ٹیڑھے لٹے ہر قدیم غزل کے شروع میں حاشیہ پر صرف قی کہہ دیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں قدیم و جدید غزل میں کیا فرق ہے۔

قبضہ ہودلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا اک بندہ نافرمان ہے حد سوا تیرا
 گوسب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا
 محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نا محرم کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
 چتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی قطعہ کلی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
 عظمت تری ماننے میں کچھ بن نہیں آئی یا ۱ ہیں خیر و دسر کش بھی دم بھر قہر تیرا
 تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط ان کو ۲ جو بچ و مضیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
 نشہ میں وہ احسان کے سرشار ہیں اور بخود ۳ جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
 سمجھا ہے پرے شجوا۔ اک کی سرحد ۴ جس قوم نے رکھا ہے ابکار ودا تیرا
 طاعت میں ادب تیرا عصیاں ہو گویا بکرہ عصیاں میں ہے طاعت کے اقرار سوا تیرا
 آفاق میں پھیلے گی کب تک نہک تیری گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

لے یا اشارہ ہے۔ اس صوفی کی کی طرف۔ **الاولیٰ انما لغات فی الدھر الا فتنہ فکھا**

یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ سوان کا آگاہو بعد ان کو اوپر نہ ملے ۱۲۳۰

کارخانہ کاراجس کے کبھی چاقو نہ لیں
خودنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں نہیں
الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
مُن کے مالک نے کہا ہے تھر انگریزوں کیا
ہیں محبت میں رہتے تھے اپنی اپنی قوم کے
ملکیاں جتنی بنگل جاتے ہیں پاس قوم میں
ہاں۔ بری اس عیب کے لئے کہ اس دنیا میں
اور قوموں سے انہیں لوگوں کو یہ امتیاز
ہو گا خون ایسا دشمن سے کسی دشمن کو یاں
اس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر
ان کو لندن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر
جانتے ہیں یہ ایمان اپنا قصہ مختصر
ایک ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
یہ وہ نصرت ہے کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر
اچھے اچھے راستہ باز اور حق پسند اور دواگر
چشم بد دور اُمتِ مرحوم اے جان پدر
حاجب کرتے ہیں کرتے ہیں یہ اپنی فوج پر
جس قدر ہے لئے اپنیوں اور گانوں کو خطر



دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی زخمِ جن کا زخم ہے تلوار کا
 اور بھی حیوانِ ناطق کے لئے ہیں بہت سی زخمتیں ان کے سوا
 پرگسے اور اور حیوانات سب بے تے ہیں دُور۔ ان گزندوں سے سدا
 کیسا ان اکام سے بہتا نچرت اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہوشیار جب
 بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
 اُسکھ میں اپنے پرلے کی ٹھہرنالے قدر
 جس سے عقبی ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی بیخ
 ہم پائین ہے جو حال ہے ہونا اپنا
 کمانا صحنے کہ انجام ہو معلوم اگر
 یہ تو کہتے ہو کہ انجام بڑا ہے لیکن
 بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن
 مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
 لو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سپنہ خوام

قوم کی پاسداری

اگر مسلمان خاص انگریزوں پتھاروں کی سپین
 چاہتے ہیں۔ نفع پہنچے اپنے اہل ملک پر
 پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کے کس قدر
 گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر

پہ اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُس کو یاد یادگس میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
 مجھو لے نہ اپنی یاد پہ انسان کو چاہیئے آخر ہشہ کا خاصہ ہے سہوا در خطا
فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا ایک گدہ بھلین جہاں سے ہو گئے گندے تھے سب صغیر و کبیر
 ہر اک سے ایک دم مانگتا تھا بے کم و بیش سخی ہو اس میں کہ مسک غریب ہو کہ امیر
 فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولت مند کہ جس کا تھا کوئی سرف میں شب و نظیر
 ہوا جو ایک دن اُس رام سے گذر اس کا دم اک اُس نے بھی چلا کہ کچھ نذر فقیر
 کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت کہ لعین درم سے زیادہ کسی سے یک شعر
 پہ لوں گا آپ میں پانچ کم سے کم دینار کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں نوال پیڑ
 یہی اللہ تلے رہے تو آپ کو بھی ہماری طرح سے ہونا ہے ایک نذر فقیر
 سو وقت ہے یہی لینے کا خود بد دولت دکھائے دیکھئے پھر اس کے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب سے نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و بحث سے جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں خلاف
 ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گمراہوں کا وقت رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف
 انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ مورد آفات ہے
 دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار وہ ہیں اُن میں سے نہایت مانگزا
 ایک فکر اُس آنے والے وقت کی شک نہیں ہے جس کے آنے میں فسا

اگر پل پڑے چوسر اور گنجفہ پر تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
 پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جسا تو کہیں مٹن گئے عزم جنگ تتر کے
 چرٹا بھوت عشق و جوانی کا سر پر تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
 جبے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو کہ چھوڑیں گے اب اسٹیشن کو بھر کے
 جو پینے پہ آؤ تو پی ہساؤ اتنا رہیں پانوں کے ہوش جس میں سر کے
 جو کھانا تو یحیٰ جو پینا تو آت گشت غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے
 طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مفوم کیوں نہیں مچنے

بشر کے صدمہ سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صفار و کبار
 یہ صدمہ اگر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے تو اور بھی اُسے دیتا ہے افعال فشار
 یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول جو چل بسے کوئی ان کے علاج میں بیمار
 وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائے گی خطا ہم پر کیا ملال کا اپنے گراں جگہ اظہار
 اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
 ہوتا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر کرتا ہے بار بار باریاں اُس کو بر ملا
 یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیئے ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جُدا

۱۵ یعنی پیٹ بھر کے۔ ۱۶ حق کا لفظ اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب

کے سوا کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے + ۱۲

جنہوں نے آپ کو سمجھ لیا ہے بڑا بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہار

کام اچھا کرنا چاہئے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے اس کی تائید اس نے جس قدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گدا گئے مہرم

اک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دُعا بیٹھا کہیں
آن بکلا بانہا اک مانگتا کھاتا اُدھر دیکھ محویت برہمن کی گیا بس حمد وہیں
جی میں آیا چھٹر قائل برہمن کو کرے تاکہ پوجے کچھ نہ کچھ یا رول کو ہر شرمگین
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا بانو ابولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ ہیں
مورتی کچھ تجکو دے گی اور نہ دے سکتی ہو ناحق اتنی التجائیں اس کے آگے تو نہ کیں
ہنسکے برہمن نے کہا ہے مانگنا نہ کا کام دے نہ دے وہ اس کے مطلب میں نہیں
ہم نہیں دیتے ڈھٹی تم جیسے ٹھیٹھوں کی طرح ہاتھ پھیلاؤ لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم بے خود پرستو طبیعت کے بندو ذرا وصف اپنے سونکان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہر گز جدھر ڈھل گئے ہو ہے بس ادھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت تو بیخ لٹے دو دن میں ہمارے گھر کے
جو جڑے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک کہ اٹھ جائیں ساتھی مہربان ایک کر کے

افسروں کا بھی یہی شیوہ ہر وقت باز رہتا ہے اپنے ماتحتوں کے سر پر تہ میں خوب اپنی خطا
خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ کے جو لوگ تمہاری ہوشیاری سے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم وہ گویا تم کو کرتے ہیں ظالمت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک نہیں اُن میں سے تم میں ایک خصلت
تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کتنی تھی کہ جو ملک ہوا مفتوح واں پانچمانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اس کے تھی یہ مشورہ دیتی یہ حرف سبک بھول کے منہ سے نکالو
پر سائے نے فرمایا کہ جو کتنی ہے تدبیر مانو اسے۔ اور عقل کا کتنا بھی نہ ٹالو
کونے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن جو بات سبک ہو اسے منہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانہ سے بہت کیا ہے کہ اکثر مردوں کی حکومت میں ملکوں کی بُری
لیکن بخلاف اسکے۔ ہے عورت کا حال واں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دار قبضہ میں ہے واں عورتوں کو دولت ملک
اور سر پر ہے عورت کے جہاں افسر شاہی سمجھو کہ جس ملک میں مردوں کی حکومت

مغزوہ کی پہچان

غور زید کی کتاب ہے گرفتاریت عمرو تو سمجھو کہ کتاب ہے اپنے غور کا اظہار

نزدیک اُن کے گویا برغم عقل و دانش ہے کنگدہم سے آسان میٹم کیس میں لانا
جبرِ ص

اُنلے و عظیمیں ہے تکیہ کلام و اعظا قدرِ لیل ہے سب مال و مثال دُنیا
گویا کہ حرص اُس کی اس سے بھی نہیں ہے ہے جس قدر فراہم پاس اُس کے مال دُنیا
امرا اور عقل

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرد مند وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں ملتے عقلا سے نہیں جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبا بیمار کو کچھ اُس سے سوا اُن کی ہے حاجت
عصمت بی بی از بے چارہ

اے مینواؤ ہنستے ہو کیا منعموں پہ تم خلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جی تک پہنچو ہوئے ہو جب ملک کہ پکڑے ہوئے سفلی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش گرم کو ہوں نصیب تو دُنیا کو دو اُجاڑ
سچ کہاں ہے

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے دیکھ لو جگہ کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریرِ دُشیں سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے
اینا الزام دوسروں پر تھوپنا

ٹھوٹ کا یگو سے جب کوئی بگڑ جاتا ہی کام اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا

ایک شہزادی۔ کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی
سلطنت میں اُس کے بھامروں کو گلی اختیار
مرد ہی تھے اس کے محرم۔ مرد ہی اسکے شیر
تخلیہ میں ایک ن جب چن عامر مخدوم
مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس ہیں
بات کی جس بیان اس نے دی محرت بل
مدنیوں کہتی کہ یہ عورت کی سیرت مجھے
تخت شاہی پر ہوتی بغاوت پر دست نشین
عورتیں اصلاح خیل اس کی حکومت میں تھیں
تھانہ عورت کا پتا دربار میں اُس کے کہیں
ہنسکھ فرمایا کہ دولت کے ارکان رکھیں
بلکہ ہاؤس اس لئے تم سے کہ تم عورت نہیں
تاکہ کوئی سوداغن اس پر نہ کر بیٹھے کہیں
اس لئے نفرت کہ یہ مردوں کی صورت و دلشیں

قانون

کہتے ہیں ہر فرد انسان پر ہے فرض
پر جو چہ پچھو۔ نہیں قانون میں
اُس میں بھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
پر کسے دیتے ہیں توڑاک آن میں
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
ماننا قانون کا بعد از خدا
جان کچھ مکاری کے جالے سے سوا
اور ہلا سکتے نہیں کچھ درست و پا
جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
اور نظر میں زور مندوں کی ہے لا

شادی قبل از بلوغ

جب تک شہزادہ اٹھارہ سال کا ہو
قانون ہے بنایا یہ ان مقتنوں نے
لیکن کریں نہ اسکی قبل از بلوغ شادی
تخت پدر پہ اُس کو ممنوع ہے بھٹانا
عالم میں آج کل جو مانے ہوئے ہیں دانا
کہتے ہیں وہ عیث ہے قانون یہ بنانا

ابن حمدوں نے کی یہ دانائی کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
 دُور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے ہر کے اپنی خطا سے کھسیانا
 جائے کنجشک ابن حمدوں پر تیر کا اپنے امتحان کرتا
 ابن حمدوں کی جان گوجاتی دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا
رعیت برنا اہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا۔ مصر لگا ہاتھ جب اُس نے
 وہ خطہ ملعون تھا یہی جس کی بدولت
 میں بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم
 کہتے ہیں خصیبت ایک غلام حبشی تھا
 کی سلطنت مصر کی باگ اُس کے حوالے
 باڑی گئی بہ ایک برس نیل کی زمیں میں
 فرمایا کہ روٹی کی جگہ پوتے اگر اُون
 ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی
 فرعون کے مانند اگر وہ بھی سمجھتا
 جو کھوں میں نہ یوں اُلتا مخلوق کو اپنی
رشک

ظاہر مردوں کی طبیعت میں نہیں رشک اُلتا
 ہے طبیعت میں جتنا عورتوں کی جا لگے

ہم عشق میں مکیں وہ عاشق تری مکالمی گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھلایا
گھر دل میں ہو یا ریل کا تو پھر گھر ہی رہے مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا
ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق سے عرض کی محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر
کرتے رہیں اگر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ ہوتا رہوں گا پندرہ سے حضرت کی بہرہ
فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
اور جگہ ہے ہمید نصیحت وہ بالیقین سگ صحبت میں بیٹھنے سے کرینگے تری مدد
خادم آقا کی خدمت میں کیوں ستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خادم ماتوں کے بہت گستاخ تھے ایک دن خادم کی گستاخی پہ ماتوں نے کہا
ہو کوئی آقا جبکہ خوش خلاق ہوتا ہے بہت پیش خدمت اس کے بد خلاق ہوتے ہیں
پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوق چشم ہے دلیل اسکی کہ بے خود خلیق آقا کا بڑا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو اُس نے گویا ڈھا دیا رکن رکیں خلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیسرے چڑیا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا
ابن حمدون ندیم تھا ماہ کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے خون بنانا نہیں وہ رکھتے روا
جانہ سکتی تھی پنج کے تیر سے وہ تو نے دی قصد اسکی جان بچا

برکت و اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جن میں ملاپ دولت و بخت ہے ہر حال میں اُن کے ہمراہ
 نہ انہیں حاجتِ اعوان - نہ تلاشِ انصار نہ انہیں خوفِ بداندیشی نہ بیمِ بدخواہ
 پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یک جہتی اُس کی دنیا سے یہ سمجھو کہ کئی عزت و جاہ
 نہ ملاؤ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فیصل نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
 ایک ملانے مُناجب یہ سخن - فرمایا تکبیر اور اس قدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
 اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ مجیز نہیں دستِ قدرت کے ہے سب ہاتھ مفید اُن کی
 واں نہ ملت کی ضرورت نہ کچھ پھوٹ کا ڈر پر گئی فضل کی مولا کے جہد ہر ایک نگاہ
 کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر کردیں افراد پر اگر نہ جماعت کو تباہ
 پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم اس کو جب دیکھا ہی دیکھا ہی جھٹوں کے ہمراہ

بعدِ صوری ملنے قربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں آکر جا اپنے محلہ سے کہیں دُور بسایا
 جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ شخصیت دل دروہائی سے عزیزوں کا بھر آیا
 ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب انیس ایک دوست شکایتِ سخن لب پہ یہ لایا
 بلی کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھبر اتنی بھی محبت نہیں گھر سے نہیں آیا
 حالی نے کہا اُنس ہے چیز اور - وفا وہ بلی نے مزاح پھل کا دفا کے نہیں پایا
 اُس ہر وفا کی نہیں بلی پہ پڑی چھینٹ کتنے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی پرواز کی ہے چو بیڑوں کو جیسے ہدایت
 روسائے عہد کی فیاضی

کی یس شہر کی تعریف یا رسول نے بہت
 بولے آج اس کا نہیں مہمان نوازی کی نظر
 ضلع کے احکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیئے
 یادگار ہیں جتنی ہیں اعیان دولت کی بنیں
 پاکی یا دیگنٹ ہے جو سواری اس کے پاس
 کیا کلکٹر کیا کسٹرن کیا سپاہی کیا عسکر
 جب یہ دیکھا جس کا دفتر نہیں ہوتا تمام
 عیب بھی اس کا کوئی آخر کرو یا رو بیاں
 ایمان کی تعریف

فقیر شہر نے ایمان کی جو کی تعریف
 کہا فتیلہ اقرار باللسان ہے ضرور
 کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندوں اک تیل
 تو دی چراغ سے اس کو آہن تابشال
 جہاں ہوا تش تصدیق و دغخ اعمال
 نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

۱۔ یعنی کرو سین ایل جو بغیر تیل کے بھی جل سکتا ہے گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان
 ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے +

یہ اس کا اوردہ اُس کا بیاں کر کے کوئی عیب
 نصیبت۔ اُس سے کہ نہ ہوتی جہاں میں
 حالی جو تیرے کھل ہے میں جہاں کے
 یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپا عجیب
 القصہ جس کو دیکھئے جاہل ہو یا حکیم
 ہر اک ہے اپنی اپنی بڑائی بکمال ستا
 ہوتا اگر یہ خاک کا پستلہ نہ خود ستا
 شاید کہ اُس سے آپ کا ہو گا یہ مدعا
 اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
 آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس میں ہمارے ہیں
 پرچہ دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
 جب کیا حملہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال
 جس قوم میں افلاس ہوا ہمیں نخل اتنا بد نما نہیں جتنا اسراف
 حلی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا
 لیکن بخلان آپ کے سب اگلے سخنور
 اسراف بھی مذموم ہے۔ پر بخل سے کتر
 حالی نے کہا روکے نہ پوچھو سبب اس کا
 کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سبب اس وقت
 وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو نگر
 اور اب کہ نہ دولت ہو نہ ثروت ہو نہ اقبال
 جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
 جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
 ہے جس سے کہ انسان کو باطلع عداوت
 یاروں کے لئے ہے یہ بیان موجب وقت
 جب قوم میں افراط و تفریط دولت و ثروت
 پھر اُس میں نہیں بخل کی بدتر کوئی مصلحت
 گھر گھر پر چھایا ہوا افلاس و فلاکت

خود ستائی

اے دل بشردہ کون ہے جو خود ستا نہیں
 جو زیورِ خود سے مُعرا ہیں سادہ لوح
 جو ان سے تیز ہوش ہیں سو سطح سے وہ
 کتا ہے کیک کیسی حماقت ہوئی ہے آج
 کتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل
 پردہ میں زیر کی کے چھپاتا ہے بخل
 کچھ اس لئے کہ ہم بھی انہیں میں سے ہوں
 کچھ اس لئے کہ اپنا ہوا نقصان آشکار
 کتا ہے ایک لاکھ نہ مانے بُرا کوئی
 کتا ہے ایک گرہے خوشامد کا ادھی
 دُعو کا ہنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ
 چپ چاپ سن رہا ہے کوئی اپنی خبریاں
 کتا ہے اس پہ کوئی کہ سب حسن ظن ہے یہ
 قانع ہے وہ انہیں پہنچنے وصف جو یہاں
 کتا ہے زید - عمرو ہے شہادت سادہ لوح
 کتا ہے عمر زید بھی کتا ہے عیب میں

پر - خود ستائیوں کے ہیں عنوانِ جہاد
 کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی بر ملا
 پردہ دل میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا
 کبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دے دیا
 سائل کی ڈب میں یسے دیا مال جب دکھا
 ادب بن کے بیوقوف جاتا ہے وہ سخا
 اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں شن
 کہتے ہیں اپنی قوم کی منتقص جا بجا
 ہے عیصاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
 پرچاتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم بُرا
 اور منہ سے درو کہہ کے دکھاتا ہے وہ صفا
 یعنی کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا
 اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں برطحا
 اور بچا ہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا
 گستا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا بُرا
 بد ہو کہ نیک - اسکی زبیاں سے نہیں بجا

ماشا کہ تجکو خوف خدا کا برابر تھو جتنا کہ خوفِ ملعونہ و تشنیعِ خفا علیہم

غور نیکی نانی

گوئی ہے جسے گندہ شیخ کی نگو نائی گمان بد کبھی اس کی طرف نہیں جاتا
جائے کس عیب تم سے بیان کرے کوئی خود اس کو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا
کالے اور گورے کی صحبت کا ڈھیکل امتحان

دو لازم ایک کالا اور گور اور دوسرا
تھے میرا سچ کی کوٹھی کی طرف دو نور داں
راہ میں دو نو کے باہم ہو گئی کچھ ہشت ہشت
صدمہ پہنچا جس سے بتی کو بہت مسکین کی
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
آغوش کوٹھی پہ پہنچے جاکے دو نو پیش دپس
ڈاکٹر نے آگے دو نو کی ٹہنی جب سر گذشت
دی سند گوئے کو لکھتی جہیں تصدیق مرض
یعنی اک کالا نہ جس گورے کے ہٹے کو مے
اقد کمالے سے تم کو بل نہیں سکتی سند
ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً مرتجا

دوسرا پیدل۔ گھر پہلا سوار بہ ہوا
کیونکہ بیماری کی رخصت تھے دو نو ہشتکا
لکھن کالے کی اک ٹکا دیا گورے نے ہار
آگے گھوڑے سے لیا سائیس نے اس کو تار
چوٹ کے صدمہ غش کالے کو آیا چن۔ بار
ضارب اپنے پالوں اور مضروب ڈولی میں سوار
ہو کو جا پہنچا سخن کی سن کے قصہ ایک بار
اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت نار و نزار
کہ نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زیہ نار
کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بیظاہر چاند ار
آئے بابا اس کی بیماری کا کیونکر اعتبار



پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک
 پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدار
 اٹھیں کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
 آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند
 نیٹو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ
 انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں بخیل
 پر جو کہ ویسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ
 انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
 اہل غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ
 آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
 منت سے بجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا
 گر چند دفعہ اور رہا ان سے سابقا
 کی آفرین ادراش سے نحا طے یوں کہا
 حق میں تیرے مفید ہیں ان سے بھی سوا
 اہل وطن پہ ان کی مگر جان ہے ندا
 دل بھائیوں پہ بھی نہیں ان کا بیجا
 جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
 شائستگی کا زہر ہے جسے انہیں چڑھا

اسراف

ایک مسرف نے یہ مسکے کہا
 تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ
 کب تکے نادان یہ خوبال زند
 ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
 ہنس کے مسکے کہا اے سادہ لوح
 زندگانی گمان اور اس قدر؟
 آج ہی گویا نصیب دشمنان
 آپ کا ذلیل ہے عزم سفر

پاس نیک نامی

اے نیک نام شکر کر اٹھ کا ادا
 جس نے بنایا نیک تجھ کو کہ نیک نام
 ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا
 پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک نام

شعروانشاکو تو ہو شاید فسرورغ ہے بہت کم برخلاف اس کے گماں
 سلطنت کا پر خدا حافظ ہے۔ جب شاعروں کے ہاتھ ہو اس کی عنایں
 اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے شعروانشاکو بھی ہے خوفِ دنیاں
 ایک پر ان میں سے چل سکتا نہیں دوسرے کا جادوے حسنِ بیاں
 ایک جب چلنے نہ دے گا ایک کی پھر ترقی شعروانشاک کی کہیں
 لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے
 جتنے کہ اس کے عیب سن کر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنونِ جلالی اس قاصرِ خوبیوں کے اپنی نہیں شکر گزار
 لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں گو کہ کتے میں تاسف کا بظاہر اظہار
 پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہونچ ان کی کمال گر نصیبوں سے وہ انوارِ غلط پائے قرار
 اور جو ہو گوشِ زوان کے کوئی خوبی اپنی خوش تو پڑتی ہے بنانی انہیں صورتِ ناچار
 دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم ان کے کہ طال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہار
 بلکہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار
 شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اب فقیر کی کرتا تھا جب سوال اگر بیز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
 مدت تک اس کی جب بھی دیکھی گئی روش پوچھ کسی نے اس سے کہ اس کا سبب کیا
 بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار چھٹ جانے تاکہ جھڑ سے یہ بیک سوال کا

نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضر طریق
 پر نہیں حکم ترا کوئی۔ عمل کے قابل
 نقا کو چھوڑنا اور سیہ کی رکھنی امید
 ہے یہ ایک ایک مری لذتِ فانی وہ بلا
 ایک اب بھوکے کو کہتا ہے کہ اے قابِ طعام
 کیونکہ اُمید پہ اک مانارہِ نعمت کی
 عقل نے سُن کے کہا فوجِ تہجد سے اے نفس
 حق کے پیار میں ہوتا نہیں باطل سرسبز
 جان بلب بھوکے ہو گرسنہ بالفرض اگر
 نکمیں بھوک ہیں کھا، میمویہ لقمہ نقد
 وعظ پر تیرے ہے زیبا کہ فدا کیجئے جہاں
 گو کہ حکمت سے بھلا تیرا سر سر ہے بیاں
 کوئی تسلیم کرے گا نہ اُسے جزوِ ناداں
 سو حیاتیں ابدی تیرے ہیں جس پہ قریوں
 ایک مدعوئے کرتا ہے پس از سال رواں
 سال بھر مبر کرے گرنگی میں انساں
 خریدہ تیرا تجھے دیکھتے پہنچائے کہاں
 کیجئے لاکھ بیان اُس پہ دلیلِ برہاں
 نہ ہر دانستہ کرے نوش نہیں یہ امکان
 اس کے کھانے میں نہیں جان و خیر اے ناداں

عادات کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا
 ہنسکے عادت سے کہا کیا عقل ہے تجھ کو الگ؟
 گھیرنے عقل صوابدیش کی سب نے جائے
 میں ہی بجاتی ہوں نادان رنہ رفتہ عقل و راستے
 شعرا کو سلطنت میں داخل دینا

سنتے ہیں یہ ایک مذہب کی ہے رائے
 شاعروں کو سلطنت کا کیجئے رکن
 چاہیے گر رونقِ علمِ زبان
 جن پہ اُس کی سب رکائیں میں عیاں
 گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان

دشمن کے جو کہ طعن سے موتے ہیں مستفید عیب ان کے دوست کیوں نہ جتا بیگے خطر
 اور جو کہ دوست نہیں سُن سکتے اپنے عیب وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہو گئے ہر دور
 جن کو خدا نے جو ہر قابل دیا ہے یہاں موقوف عبرت ان کی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مرو سخن ساز بھی دُنیا میں عجب چیز پاؤ گئے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو
 موجود سخن گوہوں جہاں اُس پر طبع کیا اور جلتے ہیں بن آپ طبعوں میں سخن گو
 دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ پہنچ میں جس وقت کہ موجود ہوں دونوں

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبانی اپنے دعووں پہ بیان کر کے دلیل برہاں
 کہا اے نفس نہیں تجھ میں مآل اندیشی درد میں تیرے بڑی واسطے سب کے دواں
 ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوش جس کا آتا ہے نظر و شیراز صبح زیاں
 سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں پر پیر تیرے نزدیک درد اور دوا سب یکساں
 نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دُنیا کی خبر یہ بھی ہے مینہ کوئی موت کا ہی چہرہ گماں
 نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب کبھی ہوتا نہیں کم تیری دی کا طوفاں
 کہیں جائے نہ بھٹک منزل مقصود سے تو دیکھ جاتا ہے کہ صبر اور تجھے جانائے کہاں
 ہاتھ دھو لذتِ فانی سے نہیں گر منظور عیش باقی و حیاتِ ابدی سے حراں

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست
 دل میں کہیں نشاں نہیں تیرے یقین کا
 جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں سو سے
 ہوتی نہیں قبول تیری ایک گردِ دعا
 تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بخت پرست
 جس کا یقین ہے تیرے یقین کے کہیں سوا
 وہ مانگتا بُتوں سے مُرادیں ہے عمر بھر
 گو حاجت اُنکی اپن سے ہوئی ہی نہ ہو روا
 آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی قصو
 اُمید اُس کی روزِ فِروں ہے اور التجا
 تو بندہ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہنچے
 وہ ہے کہ یہ ہے بندگی اے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دو کر گر رہے گداگری کا یہ
 جس سے ملے جہانِ ملے جو ملے ادبِ ملے
 ہے یہی اصل کتاب جو مجھے صحتِ مستفید
 زکِ ملے یا سزا ملے۔ دس ملے۔ ادبِ ملے
 لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں
 قولِ ایک حکیم کا ہے کہ ”گر غور کیجئے
 ہے حق میں سب کے دوست کے دشمن مفید تر
 اقل تو جو جھٹا ہی نہیں عیبِ دوست کو
 اور جو جھٹا ہے تو نہیں لاتا زبان پر
 پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
 سو سطح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
 دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست
 منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
 اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بارِ نکال
 رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اس کے مستتر
 افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ وان نظر
 گو قول ہے متین پہ جو جتنی سخن کی ہے

جیتے جی مرنے میں اُن کی طرف سے گویا
چھان میں اس کی ٹو کرتے ہیں کہ گھر کیسے
بار مزاجی ہو۔ جمالت ہو کہ ہو بد چلتی
وہی ناشی ریت ہی جس کے کالان
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ ہا
ساتھ بیٹے کے مگر اب پدر و مادر بھی
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام

سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
وہ شہر شہر ذکر کی ٹوہ میں پھرا
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
روزی کی خاطر اُس نے کئے میکروں جن
راہ طلب میں جب ہوئی مگر شکی بہت
جھک کر کما یہ کان میں اُس کے کہ جکل
جا۔ اور لفظ لفظ کو اُس کے حقیقہ کر
پھر دیکھنا کہ مان چپ و گرد و پیش سے
دنیا طلب کو چاہیئے ابلہ فریب ہو

برسوں رہا تماش میں وجہ معاش کی
لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں ٹو کری لگی
تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
پر کی نصیب نے کہیں اُس کے یا دسی
اک خضر نے نجمہ نے کی آ کے رہبری
سنتا ہو لچھپ ہی ہیں تصانیف احمدی
تردید اُس کی چھاپے جو ہو برمی بھلی
لگتی ہے کیسی آ کے زرو سیم کی جھڑی
دُنیا پہ جب تک کہ مسلط ہے ابلہ

اُردو کے دھنی وہ ہیں جو دلی میں روڑے
 بیل ہی کو معلوم ہیں اندازِ جن کے
 حالی کی زبان گرسٹل نہرِ لبن ہو
 ہر چہ کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ
 مانا کہ ہے بسا خستہ پڑ اُس کے بیاں میں
 یہ دوست نے حالی کے سنی جبکہ تعلق
 کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ چھپا
 سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے
 حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ محی رحم عرب
 سنگدل باپ سے گود سے لیکر ماں کی
 رحم اب بھی ہی دنیا میں ہے جاری لیکن
 لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں بیوہ
 ایسے گھر بیٹے بیٹی کو جو ہو آسودہ
 جانے پہچانے ہوں بھوہیا نہ کے سارِ گرنِ مر
 ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھر نے آباد
 کہ کسی گھر میں اگر ہوتی محی پیدا دختر
 گاڑ دیتا تھا زین میں کہیں زنا بجا کر
 جو کہ انار سے ہیں بیٹے کے نہیں کچھ ان کو خبر
 سب سے اقل انہیں ہوتا ہے مینظورِ نظر
 اور مہ و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر
 اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائلِ کبیر
 دونوں - نزدیک قرابت میں ہوں یا ہیر

نیشن کی تعریف

یہ نئے مانی ہوئی جمہور کی نئے
 اس پر ہے جہان کا اتفاق اب
 کنٹیشن وہ جماعت ہے کم از کم
 زبان جسکی ہوا ایک دوسل نہ رہے
 مگر وسعت اُسے بعضوں نے دی ہے
 نہیں چورائے میں اپنی مذہب
 وہ نیشن کہتے ہیں اُس بھیڑ کو بھی
 کہ جس میں حدتیں مقصود ہوں سب
 زبان اس کی نہ ہو مفہوم اس کو
 ہوں آدم تک جہاں کے جہاں
 جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو
 تو لاکھوں اُسکے ہوں معبود اور رب
 صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گزرا کہیں میلا کھیل ادا غلام
 اُس کے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اُسکو کی
 عرض کی "ایک ایک نعل ہو جس بدن کا ملک غیر
 اختیار اُس کی صفائی کا نہیں رکھتے ہی"
 جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال
 عند میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہیں غلام
 کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
 کوئی چیز اس کی نہیں ہے امانت گور کی

ولی کی شاعری کا تنزل

اک دوسرے خالی کے کہا از رہ انصاف
 سکر تے ہیں پس اہل زبان اُس کے سخن کو
 چن ہا اہل زبان جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
 بولے کہ نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
 شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہل زبان سے
 ہو چھو نہ گئی غیر زبان اُس کے دہن کو
 معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا
 اُنہو سے بھلا واسطہ ہے حضرت کے وطن کو

لو کروں پر سخت گیری کنی کا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ لو کروں پر سخت گیر
بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف
حسن خدمت پر اضا فرما ملہ تو درکنار
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اُس سے دوچار
تھی نہ جز تنخواہ لو کر کے لئے کوئی فتوح
رہتا تھا اک اک شرط نامہ ہر لو کر کے پاس
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار
حکم ہوتا تھا شرط نامہ دکھلاؤ ہمیں
طن سوا تنخواہ کے تھا جس کا آقا دمہ دار
دیکھ کر کاغذ کو جلاتے تھے لو کر لا جواب
ایک دن آقا تھا اک مُنہ زور گھوڑے پر سوار
دفعۃً قابو سے باہر ہو کے بھاگا رہوار
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن کباب
تھا مگر سائیں ایسا سنگدل اُس بے وفا
دُشہری سے تھا اُس کاغذ دکھا کر کہہ رہا

دنگد تھی آمد نہ ساتھ اُسے رعایت تھی کہیں
کام سے صلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے نہیں
ذکر کیا بچلے جو پھوٹے مُنہ سے اُس کے آفریں
نچتے پھوٹے مُنہ چڑھا باقی پہل بر دہیں
اُسے ہو جاتے تھے خائن جو کہتے تھے ایس
فرض ہیں لو کر اور آقا کہتے تھے تعین
زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے نگہیں
تاکہ یہ درخواست دیکھیں حاجی بی با نہیں
تھیں کریں جتنی وہ ساری لو کروں کو نہیں
تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستیں
تھا گئے جب زور کرتے کرتے دستِ نازیں
اُدھر گرا اسوار صبرِ دین سے ہالٹے نہیں
کی نظر سائیں کی جانب کہ ہو اگر معیں
دیکھتا تھا اُدٹس سے منہ ہوتا تھا لعین
دیکھ دوسرے کارا میں شرط یہ لکھی نہیں



انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہولنس
یاں غلام اگر کرامت ہے یہ انگلستان کی
اُسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم
اور ٹکڑیاؤں سے اک ایک بیڑی گر پڑی
قلب مہیت میں انگلستان ہے گر کیا
کم نہیں کچھ قلب مہیت میں ہندوستان بھی
آن کر آزادیاں آزاد رہ سکتا نہیں
وہ ہے ہو کر غلام اس کی ہوا جگولگی
سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان کے اس نکتے سے یہ پوچھا کہ آپ
کس لئے سید سے صاف اسے حضرت علامین
کافر و ملحد ہمیشہ اس کو ٹھہرتے ہیں آپ
ثابت اسلام اسکا۔ نزدیک آپ کے کیا نہیں
آپ بھی (نام خدا) ہیں تارک صوم و صلوٰۃ
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
خود نبوت پر مٹے ہیں ہم نے ایراد آپ کے
پھر یہ سید۔ پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب و سب
بات یہ ہے بن لو صاحب تم کچھ پر نہیں
سُن کے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے
بلکہ ساری کو فت ہوا کی کہیں ویسا نہیں
بچ کچھ اس کا نہیں مجھ کو وہ ایسا ہے کیوں
فقط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیب طاری
جو تھا سو چشم پر نم۔ اپنا تھا یا پر ایا
ڈنیا سے اٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق
یہ کہہ کے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
ہم نے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری
یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اس کو بھی رلایا

ذیل محنت میں جو بن بلائے جلتے ہیں طفیلیوں کی نہیں عوتوں میں عزت و جاہ
یہ سُن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر لکھیں ہومدعی نہ جستس میں یاں کوئی نہ ہمراہ
بلا کے پاس پھر آہستہ اُس سے فرمایا ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم نہ چھتے جہان تک ہیں ہنختہ کاروں کے جوان خام کی داں تک نہیں پہنچتی نگاہ
خاک کے حکم ہیں مہنی تمام حکمت پر فتوح جن میں ہے دنیا و دین کی خاطر خواہ
نماز و وزہ ہو۔ یا موطوف و عمرہ و حج حصول جیسے کہ ہوتا ہے اُن سے قرب الہ
اُسی طرح یہ ویلے معاش کے ہیں تمام نہ جن میں چاہیے محنت نہ کوشش ہاں نگاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ ہزاروں پھرتے ہیں حجاج سادہ لیج تباہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں بخود وار و گرنہ علم و محنت و سہج ہے و اللہ
آزادی کی قدر

ایک ہنسی نے کہا حال ہو آزادی جنہیں قدر دان اِن سے بہت بڑھ کر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیر دل کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہوا دشمنی ہے کم
عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا بینوا کو ہے زیادہ قدر دینار و درم
تعرف الاشیاء بالاضادہ ہے قول حکیم دیگتیا۔ سی سے زیادہ کون آزادی قیم
سُن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے کر کہا ہے شکر موری کے کیڑے کیلئے باغ ام
لحد ہی جس طرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔

اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آتی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲

پر یہ حد بھی جامع و ملغ نہیں عند الفحل کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اسے وہ خام ہے
یہی کا مستحق ہے خاص کر اسپ گروہ اور رتبہ کا لفظ یا راغیر سب کو مام ہے
بعض کہتے ہیں شعار اسلام یوں کا ہے لباس جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب منصور ہے لیکن بیان کرنا ضرور جو مسلم کج کل نزدیک خلص و عام ہے
اہل صل و عقد ہیں اب متفق اس طے پر یہ یاد رکھنا خالص کو کافر جانا اسلام ہے
قرض لیکر رج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج - قرض لیکے اکے اے بنا۔ چلا بہ نیت حج - گھر سے سوتے بیت اللہ
کمایہ اس سے اک آزاد نے کہ لمی حضرت کیا ہے آپ پہ شارع نے جبر یا اگر اہ
کہ قرض لیکے چلے ہیں حضور سوے حجاز وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
نہ نان و نفقہ فرزند و زن سے غلط جمع نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
سنا یہ - اور بہت ترش ہو کے فرمایا کہ روکتا ہے مسلمان کو حج سے اے مگر اہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے نگین خاتم و طبل نشان تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہانوں کی پہنچتے جو کہ ہیں طے کر کے بر و بحر کی راہ
جنہیں فراغت تو تگی میں ہو اسی سے مہید جنہیں سلامت و آفت میں ہو اسی کی پناہ
وہ سن کے بولا کہ ناخواندہ میہانوں کو اُمید لطف کی رکھنی ہے میہربان ہو گناہ

لے احوال مختلفہ میں سے جو قول راجع ہو اس کو مذہب منصور کہتے ہیں ۱۲ +

کھلتے ہیں کچھ اس کے سوا تیرے بیان سے اکٹھے ہے خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے
تھے لب پئے اظہار پہ اب آکے کھلایہ انسان کو اخفکے لئے نطق رطا ہے
بدی کر کے نیک نامی کی توقع رکھنی

نامنصف بنے رحم تھا اک ضلع کا حاکم برتاؤ سے نالائقی بہت جس کے عزیت
جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر تھا پوچھتا ہر ایک سے ازراہ شرارت
پس پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہیں کیسا کرتے ہیں ہماری وہ سائیش کہ ہمت
مٹی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بدآواز جس کو خود آواز سے مٹی اپنی گراہمت
گاتا تھا کھڑا ہو کے ادھر آواز کے پیچھے ہر بار پکتا تھا بصد تیزی و سرعت
تاکہ یہ معلوم کرے دُور سے میری آواز خوش آئند و یا قابلِ نفرت

تفاخ سے نفرت کرنے پر تفاخر
ناب نے کہا زینت و اسباب پہ جو لوگ اترتے ہیں اک ہنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے
حلی نے کہا جن کو ہے اترنے کی نفرت اتر اچکے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خان کی تکفیر
مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں بعض کے نزدیک تعزیر کی حد تمام ہے
ہے مگر مہرور کے نزدیک یہ مردہ و قول جو ہیں قابلِ اسکے اُن پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اُس جنت کو مانا جس سے غیر از اہل قبلہ ہے وہ ناکا ہے
بعض کہتے ہیں کہ شر سے تیری سب امین ہیں پس مسلمان و دین لاری اسی کا نام ہے

جاکے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا
 ایک جاتا تھا چھٹکے سوتے شمال
 کچھ جو شوخی ظریف کو سو بھی
 خاک توڑے پہ جاکے ہو بیٹھا
 نادک انداز بولا چلا کر
 یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے
 عرض کو چارہ کیا ہے اس کے سوا
 زد سے ان بے پناہ تیر و تکی
 بھٹکوا ہر پھر کے شش جہت میں مضرب
 تیر آماجگہ کے کوئی قریں
 ایک جاتا تھا پھٹکے سوتے میں
 رکھ کے بالائے طاق سب کچھ
 لوگ کرتے ہے چناں چنین
 کوئی تجھ کو جنون ہو لے مسکین
 یا کہ دیو بھرے تجھ کو جان حویں
 جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
 کہیں جان دار کو امان نہیں
 اس کی اک بندہ ملی ہے ہیں

پولیشکل اسپین

لے بزم سفیرانِ دول کے سخن آرا
 یہ سچ ہے کہ جادہ بیان میں تیرے لیکن
 ظاہر ہر نہ غصہ میں بیان سے تیری بخش
 ہے دل میں نہاں ایک شکایات کا طومار
 جو صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہرِ شیریں
 گرسوچنے تو سیکڑوں پہلو ہیں مفر کے
 دل کی تے ہوتی نہیں معلوم کوئی بات
 ہر خور و دکھاں تیری نصاحت پہ فلہے
 کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
 نے لطف میں کچھ طرز بیان اس سبب ہے
 ادلب پہ چو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
 اور جنگ میں کچھ لطف سخن اس سے سوا ہے
 اور نیٹے تو زنجیروں سے ہر قول بند ہے
 گونگا نہیں گویا نیں کیا جانے کیا ہے

بے تمیزی اپنائے زمان

از رہِ فخر آگینہ سے یہ ہیرے لکھا
جنس تیری کس ہیر میں مقتدرِ قیمت تیری بیجا
دیکے دھوکا تو اگر الماس بن جائے تو کیا
مُسکرا کر آگینہ نے یہ ہیرے سے کہا
مجھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں امتیاز
تیرے جو ہر گونہ نہیں موجود اپنی ذات میں
ہے جو طے مبتذل تیرا برابر اور عدم
تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ کم ہونے کا غم
امتحان کی وقت کھل جائے سب تیرا بھرم
گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا ہے محترم
ہیں بصری اس بازارِ ناپرساں میں کم
تجھ سے الے الماس لیکن اچھے پڑھتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی نصیحت

کہتے ہیں اگر امیر زادہ کو
خصالتیں جو امیر زادوں میں
گذا رکھتا نہ تھا ہنر کوئی
کچھ نہ تھا پرتھکتا تھا سب کچھ
واہ واسنتے سنتے یاروں کی
الغرض ایک روز صحرایں
مشق تیرا فغانی میں تھا مصروف
آکے دیکھا جاؤاں ظریفی نے حال
تیر جتنے مکان سے چھوٹا
تھا فغانی کا شوق کہیں
لازمی ہیں۔ وہ آئیں بھی سب تھیں
اس پہ تھا خود پسند اور خود ہیں
علم تیر و مکان میں اپنے میں
ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقین
جب کہ تھے ساتھ سب جنیں دُفرا
کرے تھے خوشامدی تحسین
وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشین
پائے رہے ہول و بے آئین

ہوتی ہے سچ کی قدر پہ بیقدریوں کے لئے اس کے خلاف ہوتا ہے مجھ اس کو شاد تو
جو قدر دان ہو اپنا اسے مفتخیم مجھ جالی کو تجھ پہ ناز ہے کراؤں پہ ناز تو
مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا غدر

ہوئی ریحان جانی کی بہار آخر حیف طبع رنگین تھی مئے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیان جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر عالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جانی نہ ہنگ سر ہے سودا سے تری عشق سے دل بے غالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر نہ ہی چیز وہ مضمون سو جانے والی
آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زبان نکسالی
پاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیان لائے باغ سے امدوں کے لگا کر ڈالی
ٹھنچئے مہل صنم کی کبھی فرضی تصویر کیجئے دردِ جدائی کی کبھی نقالی
تاکہ بھر کائناتوں کے دل آتش کی طرح وہ ہو جس سے دماغ اپنا ہوا ہے غالی
پر یہ ڈبہ ہے کیوں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل تھبہ چوں ہیر شود پیشہ کند دلالی

نکتہ چینی
باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سبھی بلوغ اس میں اک اپنا پسینا آذر لہو کر دیجئے
دیجئے معنی کے نظم و نثر میں دریا ہوا اور سخن کی داد ہر ہر نہ جوں سے لیجئے
اور نہ ہو گر شعرا و شاکل لیاقت آپ میں شاعرین اور شعیوں پر نکتہ چینی کیجئے

حالی وزید و عمر بنے صاحب دیوان نام خدا
 اب چاہو۔ استاد گنو یا ہمیں سمجھو تم یکستا
 ہم ہیں۔ وہی ناچینگر کبڑنا موت الکیلا
 شعر کی طرف خطاب

اے شعر و لفریب نہ ہو تو تو غم نہیں
 صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تسم
 جو ہرے راستی کا اگر تیری ذات میں
 خُسن اپنا گر دکھانیں سکتا جہان کو
 تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو مومن خیر
 وہ دن گئے کچھوٹ تھا ایمان شاعری
 اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز
 ناک اوپری دیو سے تری گر چڑھائیں لگ
 چپ چاپ اپنی پی سی کئے جاؤں میں گھر
 جو نابلد ہیں اُن کو بستا چہ بن کے راہ
 عزت کا بھی۔ ملک کی خدمت میں ہی چھپا
 اے شعر راہ است پہ تو جبکہ پڑ لیا
 کرنی ہے فتح کرنی کو نیا تو لے نکل
 پر تجھ پہ حیف ہے۔ جو نہ ہو دل گداز تو
 ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
 تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
 آپے کو دیکھ اور کراپنے پہ ناز تو
 دھوکے کا غرق کر کے ہے گاجاز تو
 قبضہ ہو اب اُدھر تو نہ کجوں سنا تو
 جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
 موند جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
 اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو
 گر چاہتا ہے خضر کی عیب دراز تو
 محمود جان آپ کو گرہے ایاز تو
 اب رہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
 بیروں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے یہ کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
 دیکھ لو ان میں جتنے میں خط کوئی بے چھوٹا کوئی بڑا
 ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگنے دے یو نہیں چھوٹے خط کو بڑھا
 ایک نے۔ جتنے خط تھے بٹے اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
 جب نہ رہا وہاں پیش نظر خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
 دیکھا اٹھا کر آنکھ جدھر تھا ہی چھوٹا وہ ہی بڑا
 کل کی ہے یارو بات کرتی قوم میں باقی بسان ذرا
 تو میں جیسا حال ہے اب آدمیوں کا کال نہ تھا
 تھے موجود ادیبوں میں احتفل و غشی کے ہمتا
 منشیوں میں ایسے تھے بہت جن پر نازاں تھی انشا
 شعر میں تھے استاد اکثر سحر بیان اور نکتہ سرا
 لے گئی ان کو آخر کار بحرِ فن کی موج بہا
 اہل ہنر کا نام و نشان قوم میں جب باقی نہ رہا

ایسی حالت میں دیوان شائع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے
ایسی بات تھی جیسے چین میں عبرانی بائبل شائع کرنی اسی لئے مقدمہ میں مطلق
شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے اور چن۔ باتیں جو خاص اس مجموعہ سے
علاقہ رکھتی تھیں وہ اب دریا چہ میں بیان کی گئیں۔ لیکن اگر غور کیجئے تو ان میں سے
کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دریا چہ لکھنا تو درکنار۔ سرے سے شعر
کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی ۲

”اسچہ مادر کار دایم اکثرے در کہ زینت“

مگر مدبر سلوات والارض نے اس خوابہ آباد نمائی رونق اور بہار ہماری
اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہے کہ دن رات یہ اس کے گورکھ و صندوں
میں الجھے رہیں و صبح کے کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھیں۔ اور جس کوشش
و جانفشانی کے ساتھ کہ مگر مٹی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورے میں
سرگرم رہتی ہے اسی کوشش و جانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور
پاور ہوا عمارتیں چھتے رہیں یہاں تک کہ فنا ہو جائیں ۳

دیکار خانہ کہ بنائیش بہ غفلت است ہشیار زیستن نہ ز قانون حکمت است
ترحم و نقد و لجاجت است و حاجت من عاقل کا تنقض
و تسلیہ الموت اثوابہ و یمنع الموت مایشتہ
تموت مع المرء حاجاتہ و یمنع الہ حاجتہ ما بقے

۱۔ یہ کتاب ہمارے ہاں قیمت چھ روپے ہے۔ (شیخ مبارک علی)

یہ چند اصول جو ادب پر بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کچھ نکتے کی زبان بن کر فی مقصود ہے کیونکہ جس طرح فوارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اچھلتا ہے اسی طرح نکتہ چینوں کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہے دوسرے نکتہ چینوں سے کان اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ جس طرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہیں ہلاتا۔ اسی طرح مصنف نکتہ چینوں کے شور و غل کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ پس اُنکی زبان بند کرنے کی طاقت ہو۔ نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی مقتضی تھی کہ دیباچہ میں یہ چند باتیں بتادی جائیں۔ ظاہر ہے کہ سویلریشن جس کو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہے۔ اس کا پرچھاواں اس ملک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جس کو مدرسہ میں لیجانے کی اجازت نہ تھی۔ اُس کو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہے۔ تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتلے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعر کے نزدیک ذوق معنی ایسے ہی بے بہرہ ہیں۔ جیسے شعرا اُن کے نزدیک عقل و دانش سے اُن پر شعر اتنا بھی اثر نہیں کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر عذی خوان کی آواز اناثر کرتی ہے غرضیکہ شاعرانہ مذاق یوٹا فیوٹا ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہے اور ایسی علامتیں موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لئے گل ہو نیوالا ہے نہ پُرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلتی معلوم ہوتی ہے لہٰذا یہ اشارہ ہے اُس مشہور قول کی طرف کہ شعر مابہ مدرسہ کہ بُرد ؟

ہے۔ اسی طرح دیوانگی۔ نادانی۔ رندی۔ فقر۔ ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہیں۔ لیکن شعر اکثر ان کے ملح ہے پس ۛ

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہے اور کبھی سری حیثیت سے اُس سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ کبھی قدامت کے مقابلہ میں اس لئے کہ وہ استاد اور مجدد بن سکتے اپنے تئیں ناچیز بنے حقیقت بتاتا ہے۔ اور کبھی اس لئے کہ اُس نے اُن کی دولت میں کسی قدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہے۔ جو اُن کے پاس نہ تھی۔ اپنے تئیں اُن پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کبھی دنیا کی اس لئے تحقیر کرتا ہے کہ وہ دارالغور و داراللمح ہے۔ اور کبھی اس کی بڑائی و عظمت اس لئے بیان کرتا ہے کہ وہ مرزئہ آخرت ہے وہ کبھی ایک ہی گورنمنٹ کی خوبیوں کے سبب ستائش کرتا ہے۔ اور کبھی اس کی ناگوار کارروائیوں کے سبب شکایت مکرہ کبھی ان حیثیتوں کی تصریح نہیں کرتا جن پر اُس کے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہیں۔ جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہے وہ ایک نادان سمجھ کی طرح کبھی بے ہمتیا رو پڑتا ہے اور کبھی ہنسنے لگتا ہے۔ مگر نہ اُس کے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہے نہ ہنسنے کا پس ممکن ہے کہ شاعر کے کلام میں ایسی بے جوڑ باتیں دیکھ کر لوگ متعجب ہوں۔ مگر جب تک شاعر کا مادل اُن کے پہلو میں اور ویسا ہی سودا اُن کے دماغ میں نہ ہو اُن کا تعجب رفع ہونا مشکل ہے ۛ

بذریعہ شل گل افغی گزیدہ بلبل را نوازان نخرودہ گزند را چہ خبر

بلا اُس کے کلام کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہے کَمَا قَالَ اللَّهُ وَكَوْكَانَ مِنْ عِنْدِ غَائِبٍ
 اللہ لو جہدِ اختیارِ اختلاف کا کثیراً مگر جس طرح ایک فلسفی یا مورخ کی تصنیف میں
 اختلاف پاجانا اُس تصنیف کو عیب لگاتا ہے۔ اس طرح شاعر کے کلام کو عیب میں
 لگاتا بلکہ اُس کا بیباختہ پن ظاہر کرتا ہے جس کو شاعری کا زیور سمجھنا چاہئے فلسفی
 یا مورخ ہر ایک چیز پر اُس کے تمام پہلو دیکھ کر ایک مستقل رائے قائم کرتا ہے نہ
 اس لئے ضرور ہے کہ اُس کا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن شاعر کا یہ کام نہیں ہے
 بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُس کے سامنے آئے اور اُس سے کوئی خاص کیفیت پیدا
 ہو کر اُس کے دل کو چین کر دے اُس اسی طرح بیان کرے۔ پھر جب وہ سارے پہلو دیکھ کر دوسرا
 کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اُس کو اُس دوسری کیفیت کے موافق
 بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہیں لکھتا تا کہ اُس کو حقائق و واقعات کے
 ہر ایک پہلو پر نظر رکھنی پڑے بلکہ جس طرح ایک فولگو گراف ایک ہی عمارت کی کبھی
 روکار کا۔ کبھی تعمیریت کا کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جُدا جُدا نقشہ اُتارتا
 ہے اسی طرح شاعر حقائق و واقعات کے ہر ایک پہلو کو جُدا جُدا رنگ میں بیان کرتا
 ہے پس ممکن ہے کہ شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہے
 کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بری چیز کی تعریف۔ کیونکہ خیر محض کے
 سوا ہر خیر میں شر کا پہلو۔ اور شر محض کے سوا ہر شر میں خیر کا پہلو موجود ہے عقلِ معلّم۔ زہد۔
 دولت عزت اور آبرو عموماً مدوح و مقبول سمجھی جاتی ہیں مگر شعر نے اُن کی جا بجا مذمت کی

ولے تھے اور جس نے کبھی آنکھ کھول کر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتوں کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی۔ اس نے میکبت جو لیٹ۔ کیتھریس۔ ڈنچو نا اور بعض اور لیٹیوں کے ایسے املی کیہ کٹر دکھائے ہیں۔ جن کا اس سوسائٹی پر جس میں اس کی عمر گزری تھی۔ کبھی پرچھاواں تک نہ پڑا تھا۔ ایران میں فردوسی اور ہندوستان میں انیس رزم کے بیان میں صد ہا باتیں ایسی ٹھکانے کی لکھ جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گزرے تھے۔

اس عند سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برأت ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی اس کو غلط واضح کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہے بخلاف شاعر کے کہ اس کا اصلی مقصود فطرت انسانی کی کریا۔ اور واقعات دہر متاثر ہو کر دل کی بھڑاس نکالنی ہے اور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لئے نہیں چلتا۔ بلکہ خود کچھ سمجھ کر تیج اٹھاتا ہے۔

ناصر مشفق ہیں یا یوں کے نہ مصلحت پر مشیر دروین دن کے نہ انکے درو کے دریاں ہیں ہم پھوٹ پڑتے ہیں تماشا اس مہن کا دیکھ کر نالہ بے اختیار بمسب نالاں ہیں ہم پس اگر شاعر کا کوئی قول اس کے فعل کے برخلاف پایا جائے تو اس کو غلط

یا ناصح قرار دیکر یہ الزام دینا نہیں چاہئے کہ اَلْمُشْرِقُ الْقَائِمُ بِالْإِيمَانِ وَتَلْسُونَ أَنْفُسَكُمْ بَلْ كُنْزُ كِي طَرْفِیْہِ یہ عند کرنا چاہئے کہ اَلْهَیْہِ یَقُولُونَ مَا یَفْعَلُونَ انسان کے کلام میں کہیں کہیں اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہے

تصویر کھینچ کر دکھاتا ہے۔ اور گھر کے بھیدری کی طرح چھپے رُتھیں کے پترے کھولتا

ہے۔ اس لئے سمجھنا چاہیے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اور دوسرے پر دھڑکنا ظاہر کرتا

ہے۔ ہر بدی اور گناہ کا مذنب نہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس میں

موجود ہے۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی پتے کی بات شاعر کی قلم سے مترشح

ہو تو جانتا چاہیے کہ وہ اپنے ہی نفس کی چوریاں ظاہر کر رہا ہے

پس عاشقی کی نگاہ سے معلوم ہو سکتی ہے کہ حالی سے بدگمانی بیجا نہیں ہوئی

شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ مندرجہ ہو سکے کہ اس میں فطرت انسانی

کے دقائق و غوامض سمجھنے کا ایک خدا داد ملکہ ہوتا ہے جس کی مدد بعض اوقات

ایک زندہ مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیز گاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ بیان

پرہیز گاری کی سوائے کسی بھی نقشہ کھینچ پیتا ہو کہ خود اس سوانحی کے نمبر بھی اپنی سوانحی

کا وہ نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔ اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے پرہیز گاری اور پارساؤ

کے حلقے سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا وہ زندہ وادہ باش کی صحبتوں کا ایسا چربا آئنا

دیتا ہے کہ گویا انہیں میں سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہے اور اس نے بار بار

خلیفہ سے ایک مصرع سن کر جس میں رات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت

کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہوتا تھا۔ اس مصرع کی تضمین میں ایسے واقعات

بیان کر دیئے ہیں کہ خلیفہ متعجب ہو کر بیساختہ یہ کہہ اٹھتا تھا قاتلک الله

کائنات کون تالشا شکسید جس کے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور تاشا کرنے

خدا کا جو کچھ
کہا ہے اس میں
میں نے دعا
کی ہے

ایک نئی صورت میں جلوہ گر کیا گیا۔ بعض قطعات و رباعیات میں اخلاقی مضامین کنایہ میں ادا کئے گئے۔ جو شاید کہیں کہیں مطائبہ کی حد کو پہنچ گئے ہوں۔ مگر انوری و سعدی و شغائی کے مطائبات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم ہوں گے۔ ریا و مکرو و سالیس و عجب و خود پسندی اور اسی قسم کے اخلاق و اعظ و زائد و صوفی و شیخ و ملا پر ڈھالے گئے۔ نہ اس لئے کہ نعوذ باللہ اس فرقہ غیبیہ کی مذمت مقصود تھی، بلکہ اس لئے کہ ان اخلاق کے بیان کرنے کا اس سے واضح تر کوئی عنوان نہ تھا۔ سیاہی کا دھبہ جیسا اچلے کپڑے پر صاف نمایاں ہوتا ہے ایسا میلے کپڑے پر نہیں ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر اور بادشاہ دونوں ہوتے ہیں۔ مگر جب ظلم کو زیادہ بولناک صورت میں دکھانا منظور ہوتا ہے تو ہمیشہ سلطنت کے لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے اسی طرح ریا و عجب و خود پسندی اگرچہ ہر فرد بشر میں کم و بیش پائی جاتی ہے۔ مگر جب اس کو علم و ہوشیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور ڈھائی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اسی ہی شاعری کی علت غائی ہے۔

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہے تو اس کو بصورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے اس لئے ہم کو بھی کہیں کہیں ناصح بنتا پڑا ہے۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان میں بہت بڑا فرق ہے اصلی ناصح خود برا بیوقوف پاک ہو کر اوروں کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر شاعر چونکہ بڑائیوں کی ہونہو

وجود میں اس کے اس کی بڑی دیر یہی ہے کہ وہ موجودات میں چند چیزوں کو ترکیب فکر
 اس میں ایک نئی صورت پیدا کرے۔ بس جس طرح معمار عمارت تیار کر نہیں اینٹ مٹی اور
 چونہ کا یا بڑھتی ایک تخت کے بنائے میں لکڑی اور لہجے کا محتاج ہے اسی طرح ضرورت ہو کہ شاعر بھی
 کسی شعر کے ترتیب دینے میں کسی ایسے مصلح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لہجے کی
 طرح نفس الامر میں موجود ہو وہ لکڑی کیسے ہے یہی نیا کے حالات جو روزمرہ ہمارے آنکھوں کے سامنے
 گذرتے ہیں خواہ وہ انسان سے عداوت رکھتی ہوں یا زمین آسمان۔ چاند سورج۔ پہاڑ اور دیہات
 شاندار چیزوں کا پتھر۔ مکڑی اور بگے جیسی بے حقیقت چیزوں کے۔ پس شاعر نے ان حالات کو مٹی
 باتیں سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتوں پر رکھنی چاہی۔ اس کا مثال
 اس معاملہ ہی ہوگی جو عمارت بنانے کے لئے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتا
 بلکہ ایسے مصلح کی ضرورت سمجھتا ہے جس سے عمارت تیار نہیں ہو سکتی ہے
 ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعابے کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان اہل
 الغرض جبکہ شاعری کی لئے کھلی معماری کا چھوڑ کر عینا کی گھات میں بیٹھنا اور
 زمین پر ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزول مانہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا زمانہ کے
 حالات دیکھ کر جبکہ نفس پر طاری ہوتی رہیں۔ اور جن واقعات کے منہ سے دل پر
 چوٹ لگتی رہی۔ اُن کو دقتاً وفتاً اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا لباس پہناتے رہے
 بعض خیالات بحسب ضرورت وقت اقوال سلف یا حکایات سلف سے اخذ کئے
 گئے۔ کہیں اُن کو اپنے حال پر رہنے دیا۔ اور کہیں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر کے

خیالات کے ساتھ طرز بیان نہیں بدلتی۔ گاڑی کی رفتار میں فرق آجاتا ہے۔ مگر یہاں اور دھرا بدستور باقی رہتا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دیئے تھے مگر اسلوب بیان میں مطلق فرق نہیں آیا۔ جو تشبیہیں اور استعارے پہلے ملح بہی اغزل اور تشبیہ میں برتے جاتے تھے وہی اب توحید۔ مناجات۔ خلاق اور موعظت میں استعمال ہونے لگے۔ خاص کر شعر میں اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ممکن ہے کہ متاخرین قدیم شعر کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں مگر ان کے طریق بیان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جس طرح کسی غیر ملک میں نئے وارد ہونے والے سیاح کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک میں روشناس مینے اور اہل ملک کے دل میں جگہ کرنے کے لئے اسی زبان میں گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع صورت اور لباس کی اجنبیت کو زبان کے اتحاد سے بالکل زائل کر دے۔ اسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت ہے کہ طرز بیان میں قدما کی طرز بیان بگت ورنہ جا پڑے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اپنے خیالات کو انہیں پیرایوں میں ادا کرے۔ جن سے لوگوں کے کان مانوس ہوں۔ اور قدما کا دل سے شکر گزار ہو جو اس کے لئے ایسے منجھے ہوئے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

کچھ تعجب نہیں کہ ایسے مجموعہ کو اور نیز ان نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں بیکھر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہو کہ ان میں نئی کون سی بات ہے؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گنصے ہوں۔ اور نہ طرز بیان میں کوئی ایسی جہت جس سے

کہ نہ تھا۔ جو کہ بس امریکا دریافت کر کے اڑ بلا کے وہاں میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ بس یہ تمام
مجموعہ جس میں کچھ نئے اور کچھ پرانے خیالات شامل ہیں۔ ایک اُمید موہم پر کہ دیکھئے
مردود ہو یا مقبول۔ ملک کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم
پر ہنسے۔ ہم اپنے دعووں پر آپ ہنستے ہیں +

شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات میں پہلے زمانہ کی بہ نسبت حقائق و واقعات
کا کچھ زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسی کہ اُمید کی جاتی ہے۔ ان خیالات کو سچی شاعری کا
نمونہ تصور کیا جائے۔ مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کاؤں کو کچھ معلوم ہوتے
ہیں۔ ایسے سچے دل سے بھی نکلے ہیں یا نہیں خود ہم کو بھی معلوم نہیں۔ تاہم اگر ان چہ
رہ۔ جیسا کام محض سچے جوش اور دلولہ سے ہوتا ہے۔ ویسا ہی بلکہ بعض اوقات
اُس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش۔ تحسین و آفرین کے لالچ۔ جذب
منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور
خود کر نوا۔ لے کو اپنے کام کا مشا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگرچہ ہم اُس وقت نہ ہونے
مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور مردود و ہار بانی کو الگ کئے بغیر نہ ہے گا۔ سچ بھولے گا اور
پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزے کی طرح جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔
وَلَا تَدْرِيْنَ اَنَّا مِنْ قَرْحٍ كَثِيْرٌ ۝ تَهْوٰتُ اِذَا الْمَوْجُ سِيْنُ اَمْْهُوْلٌ ۝
ناظرین کو معلوم رہے کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہیں۔ تو

لے اور جہ ہم نے وہ شایوں اکثر سوچتی رہی ہیں کہ حریفانِ تعلیم کہ اپنی شایوں کو سرسبز رکھیں۔

کچھ بچے متفرق اور پرانہ خیالات باقی ہیں۔ جن میں سے کسی قدر قطعہ درباری کے لباس میں اور کچھ نزل کے روپ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ ان کے سوا چند ترکیب بند ایک آدھ سمٹ۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخیں ہیں۔ جن میں سے اکثر خاص خاص طور پر وقتاً بعد وقت شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر میلک کی نذر نہیں ہوئیں پہلا کلام جو عالم بہر و نادانی یا خلاصہ زندگانی کی نشانی ہے۔ وہ بھی کسی قدر تلف ہو جانے کے بعد جس قدر بچا ہے اب تک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا مقصد ہے کہ جو کام اُس کی مقوی یا بہت کوشش سے انجام ہوتا ہو عام اس کے اچھا چاہو اور پسند کے لائق ہو یا نہ ہو وہ اُس کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کر کے دیتا کرتا ہے۔ اور خاص عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہے۔ جس فخر کے ساتھ وہ ہر بات جس نے کبھی آب شیریں کا مزانہ پکھا تھا۔ ایک کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر بارون رشید کے دربار میں بطور سوغات کئے لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے

۱۵۔ یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے یعنی رشید کے زمانہ میں ایک بدوی جس نے کبھی دجلہ کے شیریں پانی کا مزانہ پکھا تھا۔ اُس کو صحرا میں ایک چشمہ ملا جس کا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نبت نہ رکھتا تھا لیکن جیسا شیریں پانی کہ وہ بدوی ہمیشہ پیا کرتا تھا۔ اُس سے کسی قدر میٹھا تھا۔ وہ خوشی خوشی اسی ایک مشک بھر کر بغداد میں پہنچا اور خلیفہ کے دربار میں اسکی بطور ایک علی نفیس کے پیش کیا خلیفہ نے اُسکو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا مگر اسکی بد مزگی بدوی پر ظاہر نہیں ہوئی اور اُسکو انعام دیکر مہلت کیا اور حکم دیدیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے۔ ورنہ اپنے دل میں شرمندہ ہو گا۔ ۱۶۔

کی ہمواری اور رہ گزرنی کی فضا چھوڑ کر دو سرا راستہ اختیار کرنے کا بھی خیال بھی نہ آیا مگر جب آفتاب غروب ہوا اور دن ڈھلنا شروع ہوا، تمام سیمائی جلوے جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے۔ رفتہ رفتہ کا فور ہونے لگے غزل و تشبیب کی اُننگ انفعال کے ساتھ بدل گئی۔ اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہیں۔ مگر یہی جواب دیا گیا۔ کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

يَقُولُونَ هَلْ نَقِلُ الثَّلَٰثِينَ لَعَنَ قَسَمُهُمْ هَلْ يَقْدِرُ الْقَوْمُ يَوْمَ يَكُونُ الْأَمْرُ كُلُّهُ لِلَّذِينَ هَلْ يُعْطَاؤْنَ فِيهَا الْكَلْبُ الْكَلْبُ هَلْ يُعْطَاؤْنَ فِيهَا الْكَلْبُ الْكَلْبُ هَلْ يُعْطَاؤْنَ فِيهَا الْكَلْبُ الْكَلْبُ
 جو لوگ عاشقانہ گونی کے چٹخارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں نہ کو لگا پھر فوراً مشکل سے ٹھٹھا بے مگر زمانہ کی ضرورتوں نے یہ سبق پڑھایا کہ دلفریب مگر نکستی باتوں پر آفرین سے دلشک مگر کام کی باتوں پر نفرتیں بننی بہتر ہے اور حاکمیت نے حکم دیا کہ پروا نہ بلبل کی قسمت کو بہت بچکے بھی پنحوال پر بھی دوا نہ سونپنے ضرور ہے۔
 بہت بحال خویش ہم آخرواں گریست تا چند بر فلان و بہ بہمان گریستن

کچھ نظمیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں۔ بعضوں نے پن۔ کیس اور بعضوں نے ناپسند مگر چوٹ رکے دل پر لگی۔ کہانی بے مزہ تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتیں اور پری تھیں مگر پتے کی جو نظمیں کسی قدر طولانی تھیں۔ وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شائع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر طبع یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہے؟ سو میں نے ان سے کہا کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیکھ کر

کچھ کذب اختر اپنے کچھ کذب حق نما ہے یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے فخر اپنا
 ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا عشق کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور ایسا
 سمجھنا کچھ بیوج نہ تھا۔ اولیٰ تو شعر کا حدوث ہی دنیا میں اس حبش اور ولولہ سم ہوا ہے جو
 عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دلیں پیدا ہوتا ہے۔ اور شعر کی ذات میں جو
 ایک انقلابی مادہ ہے۔ وہ بھی اپنے شعلے میں کسی آگ کی اشتعال کا محتاج ہے پھر قوم
 کا کلام بھی جانتا دیکھا گیا ہے۔ اسی خیال کی تائید کرتا تھا۔ بالائینہ حادثات سن یہ کب
 ناجازت دیتی تھی کہ شاہد رعنائے سخن کا نظارہ ایک پیر زل کی صورت میں کیا جائے اور
 شرب ارغوانی کی جگہ سرکہ بے نمک سے نیافت طبع کی جائے، غرضیکہ ایک مدت
 یہ خیال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پس نہ آتا تھا بلکہ جس شعر میں چاشنی نہ
 ہوتی تھی۔ اس پر شعر کا طلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا خود بھی جب بھی یہودی اچھلا آگئیں
 بند کیں اور اسی شاعر عام پر پڑے جس پر بغیر دیکھا تا نا بندھا ہوا تھا قافلوں کا تھراہ

لے قوم سے یہاں اس کے شعرات معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں قوم سے مراد شعرا ہیں +

۱۔	۲۔	۳۔	۴۔	۵۔	۶۔	۷۔	۸۔	۹۔	۱۰۔	۱۱۔	۱۲۔	۱۳۔	۱۴۔	۱۵۔	۱۶۔	۱۷۔	۱۸۔	۱۹۔	۲۰۔	۲۱۔	۲۲۔	۲۳۔	۲۴۔	۲۵۔	۲۶۔	۲۷۔	۲۸۔	۲۹۔	۳۰۔	۳۱۔	۳۲۔	۳۳۔	۳۴۔	۳۵۔	۳۶۔	۳۷۔	۳۸۔	۳۹۔	۴۰۔	۴۱۔	۴۲۔	۴۳۔	۴۴۔	۴۵۔	۴۶۔	۴۷۔	۴۸۔	۴۹۔	۵۰۔	۵۱۔	۵۲۔	۵۳۔	۵۴۔	۵۵۔	۵۶۔	۵۷۔	۵۸۔	۵۹۔	۶۰۔	۶۱۔	۶۲۔	۶۳۔	۶۴۔	۶۵۔	۶۶۔	۶۷۔	۶۸۔	۶۹۔	۷۰۔	۷۱۔	۷۲۔	۷۳۔	۷۴۔	۷۵۔	۷۶۔	۷۷۔	۷۸۔	۷۹۔	۸۰۔	۸۱۔	۸۲۔	۸۳۔	۸۴۔	۸۵۔	۸۶۔	۸۷۔	۸۸۔	۸۹۔	۹۰۔	۹۱۔	۹۲۔	۹۳۔	۹۴۔	۹۵۔	۹۶۔	۹۷۔	۹۸۔	۹۹۔	۱۰۰۔
۱۔	۲۔	۳۔	۴۔	۵۔	۶۔	۷۔	۸۔	۹۔	۱۰۔	۱۱۔	۱۲۔	۱۳۔	۱۴۔	۱۵۔	۱۶۔	۱۷۔	۱۸۔	۱۹۔	۲۰۔	۲۱۔	۲۲۔	۲۳۔	۲۴۔	۲۵۔	۲۶۔	۲۷۔	۲۸۔	۲۹۔	۳۰۔	۳۱۔	۳۲۔	۳۳۔	۳۴۔	۳۵۔	۳۶۔	۳۷۔	۳۸۔	۳۹۔	۴۰۔	۴۱۔	۴۲۔	۴۳۔	۴۴۔	۴۵۔	۴۶۔	۴۷۔	۴۸۔	۴۹۔	۵۰۔	۵۱۔	۵۲۔	۵۳۔	۵۴۔	۵۵۔	۵۶۔	۵۷۔	۵۸۔	۵۹۔	۶۰۔	۶۱۔	۶۲۔	۶۳۔	۶۴۔	۶۵۔	۶۶۔	۶۷۔	۶۸۔	۶۹۔	۷۰۔	۷۱۔	۷۲۔	۷۳۔	۷۴۔	۷۵۔	۷۶۔	۷۷۔	۷۸۔	۷۹۔	۸۰۔	۸۱۔	۸۲۔	۸۳۔	۸۴۔	۸۵۔	۸۶۔	۸۷۔	۸۸۔	۸۹۔	۹۰۔	۹۱۔	۹۲۔	۹۳۔	۹۴۔	۹۵۔	۹۶۔	۹۷۔	۹۸۔	۹۹۔	۱۰۰۔

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

دیوانِ حالی

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

شیخ مبارک علی تاجر کتب

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

مکتبہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند

